سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت • خواتین اسلام کا پسندیدہ رسالہ

ماہنامہ

بناتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کراچی

302

باتیں اور یادیں

اولاد کو بگڑنے سے کیسے بچائیں؟

میری ماں میری جنت!!

ماہنامہ

بناتِ عائشہ رضی اللہ عنہا

کراچی

جلد ۲۶ شمارہ ۰۷

رجب ۱۴۴۷ھ، جنوری 2026ء

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

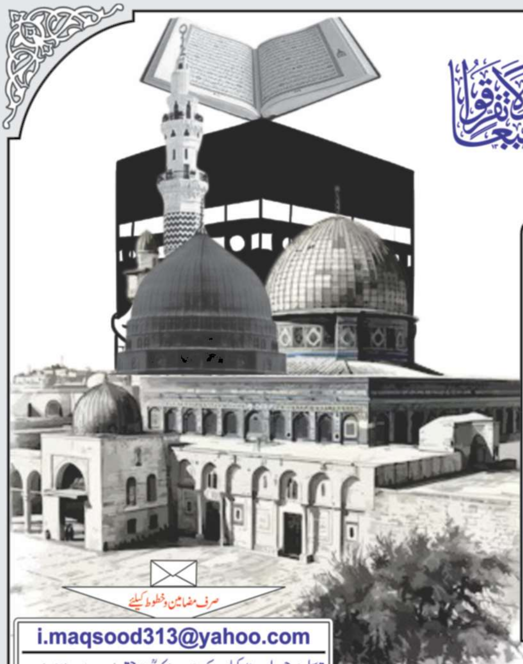

زرتعاون فی شمارہ

120/= روپے

سالانہ تعاون

پاکستان ——— ۱۴۴۰ روپے

یورپ ——— ۴۰ ڈالر

امریکہ/افریقہ — ۶۰ ڈالر

عرب ممالک — ۳۵ ڈالر

بھارت ——— ۳۰ ڈالر

صرف مضامین وخطوط کیلئے

i.maqsood313@yahoo.com

ترسیل اور حصول رسالہ کیلئے: مکتبہ ابن مبارکؒ ۳۷ حق سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

پبلشر حافظ طاہر حمید پرنٹر رئیس الرحمٰن الجنت پرنٹنگ پریس کراچی مقام اشاعت ۱۲ ڈاڈی مینشن ریگل چوک کراچی

نیکی کی راہوں پر بناتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہم قدم بن جائیں

الحمد للہ !

☆...... ماہنامہ ''بناتِ عائشہ رضی اللہ عنہا'' کی مسلسل اشاعت کا **25** واں سال چل رہا ہے۔

☆...... ماہنامہ ''بناتِ عائشہ رضی اللہ عنہا'' ہر اسلامی مہینے کے آغاز میں آپ تک خوبصورت اور دل نشین انداز میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور دینِ اسلام کی تعلیمات کا پیغام پہنچاتا ہے۔

☆...... ماہنامہ ''بناتِ عائشہ رضی اللہ عنہا'' راہِ حق کے فدائیوں، اسلام کے جانثاروں اور دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی آواز آپ تک پہنچاتا ہے۔

☆...... ماہنامہ ''بناتِ عائشہ رضی اللہ عنہا'' کے صفحات پر آپ تفسیر قرآن، احادیث نبوی، دینی مسائل، عبرت و نصیحت پر مبنی واقعات اور شرم وحیاء کے جذبات، سب کچھ انتہائی مستند، دلچسپ اور مؤثر شکل میں پڑھ سکتی ہیں۔

☆...... ماہنامہ ''بناتِ عائشہ رضی اللہ عنہا'' ہر باطل کے خلاف ایک بے لوث، رضا کار اور ہر فسق و فجور کے مقابلے میں ایک نڈر سپاہی کا کردار ادا کرتا ہے۔ یہ لا دینی اور بے حیائی کے دور میں مسلمان بہنوں کی حفاظت کا مضبوط قلعہ ہے۔

☆...... ماہنامہ ''بناتِ عائشہ رضی اللہ عنہا'' ہر مسلمان گھرانے کی لازمی ضرورت اور ہر مسلم فرد کیلئے انتہائی مفید ہے۔

٭ ماہنامہ ''بناتِ عائشہ رضی اللہ عنہا'' خود پڑھیں۔

٭ دوسروں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیں اور اپنے حلقۂ احباب میں بطور تحفہ اسے پیش کریں۔

٭ یقیناً یہ ایک عظیم دینی دعوت اور بہت بڑی سعادت ہوگی

اگر آپ ماہنامہ ''بناتِ عائشہ رضی اللہ عنہا'' کے پیغام سے متفق اور اس کے اسلوب سے مطمئن ہیں تو......آئیں! آگے بڑھیں اور اس کو ہر مسلمان گھرانے تک پہنچانے میں ہمارا ساتھ دیں۔

حمد باری تعالیٰ

یہ دل ہوگیا ہے نہال اللہ اللہ
تصور میں ان کا جمال اللہ اللہ
ہے کتنا مبارک خیال اللہ اللہ
زباں جس کی تفصیل کرنے سے عاجز
مرا ہوگیا ایسا حال اللہ اللہ
وہ امی بھی رہ کر جہاں کے معلم
نہیں ایسی کوئی مثال اللہ اللہ
کہے گا خدا مجھ سے مانگو ملے گا
یہ ہے نعمتِ بے مثال اللہ اللہ
نبی کی محبت بسی ہے جو دل میں
یہ ہے رحمتِ ذو الجلال اللہ اللہ
بروزِ قیامت پلائیں گے ہم کو

ہدیہ عقیدت بحضور سرورِ کائنات ﷺ

الٰہی کس سے بیاں ہوسکے ثنا اس کی
کہ جس پر ایسا تیری ذات خاص کو ہو پیار
جو تو اسے نہ بناتا تو سارے عالم کو
نصیب ہوتی نہ دولت وجود کی زنہار
جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار
گرفت ہو تو ترے ایک بندہ ہونے میں
جو ہوسکے تو خدائی کا اک تری انکار
بجز خدائی نہیں چھوٹا تجھ سے کوئی کمال
بغیر بندگی کیا ہے لگے جو تجھ کو عار
جو انبیاء ہیں وہ آگے تری نبوت کے
کریں ہیں امتی ہونے کا یا نبی اقرار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ ﷻ کے اسماءِ مبارکہ

المنتقم

بدلہ لینے والا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رسولِ اکرم ﷺ کے اسماءِ مبارکہ

معلوم

معلوم

اس شمارے میں

10 — اداریہ — محمد منصور احمد

16 — باتیں اور یادیں — محمد مسعود ازہر

26 — اولاد کو بگڑنے سے کیسے بچائیں — ام حبیب

35 — تحریکِ سید احمد شہیدؒ — اُم محمود
47 — خواتین کا کسبِ معاش شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں — اخت سعد
69 — میری ماںؒ میری جنت!! — المصباح
80 — غزواتِ نبوی اور دیگر جنگوں میں خواتین کی شمولیت — ام صفیہ
128 — ایک فلسطینی بچے کی رودادِ الم — ادارہ
141 — سورۃ التکاثر — حفصہ منصور
163 — بناؤ سنگھار کے شرعی احکام — ام مجاہد
175 — دعاؤں کی قبولیت کے سنہرے واقعات — ام احمد عبد الرحمن
185 — زادِ سفر — محترمہ امۃ اللہ تسنیم
189 — میرا باورچی خانہ — ام ہانی

کلامِ ہدایت جل جلالہ

توبہ کا راستہ اختیار کریں!

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝۳۲ (ق۔۳۲)

’’(اور کہا جائے گا کہ) یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے یہ وعدہ کیا جاتا تھا کہ وہ ہر اُس شخص کے لیے ہے جو اللہ سے خوب لو لگائے ہوئے ہو اور اپنی نگرانی رکھنے والا ہو۔‘‘

☆......’’ اَوَّابٍ ‘‘لغت کے اعتبار سے مبالغہ کا صیغہ ہے اور ڈکشنری میں اس کا معنی ہے: ’’اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ توبہ کرنے والا‘‘ اس آیت کا سیاق بتاتا ہے کہ اس شخص کا تذکرہ ہو رہا ہے، جس سے بہت زیادہ گناہ ہو گئے ہوں اور اس نے بہت زیادہ توبہ کی ہو۔

☆......اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مقابلے میں اپنے گناہوں کو کبھی بڑا نہ سمجھنا۔ ☆......اللہ تعالیٰ کے غضب کے سامنے کبھی اپنی خطاؤں کو معمولی نہ سمجھنا۔ ☆......ہمیشہ امید اور خوف کے درمیان رہو! اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید قائم رہے اور اس کے عذاب کا خوف بھی رہے۔ ☆......دیکھیں! شیطان کبھی آپ کو گناہوں پر اتنی شرمندگی میں مبتلا نہ کر دے کہ آپ کو اپنے رب کریم جل شانہ کی طرف واپس آنے سے شرم آئے۔ ☆......اللہ تعالیٰ نے اپنا نام ’’ الغفور‘‘ (بہت بخشنے والا) اسی لیے رکھا ہے کہ ہم گناہ کرتے ہیں اور وہ ہماری توبہ قبول فرماتا ہے۔ ☆......اگر آپ سے دن میں ایک ہزار مرتبہ بھی گناہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ سے ایک ہزار مرتبہ توبہ کر لیں گے۔

کلامِ ہادیٔ عالم ﷺ

پھر خالد بن ولید نے اس جھنڈے کو اٹھایا!

ثُمَّ اَخَذَهَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْد۔ (صحیح بخاری:3063)

"پھر مسلمانوں کا پرچم خالد بن ولید نے اُٹھالیا"

☆۔۔۔رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں موجود تھے اور جنگِ موتہ میں مسلمانوں کے لشکر کی خبریں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتا رہے تھے!

آپ نے فرمایا: زید نے جھنڈا اٹھایا اور شہید ہو گئے، پھر جعفر نے اس جھنڈے کو اٹھا لیا وہ بھی شہید ہو گئے، پھر عبداللہ بن رواحہ نے اسے اٹھالیا اور وہ بھی شہید ہو گئے، پھر خالد بن ولید نے اس جھنڈے کو اٹھایا، وہ لشکر کے امیر نہیں بنائے گئے تھے لیکن ان کے ہاتھ پر فتح عطا کر دی گئی! (صحیح بخاری:3063)

☆۔۔۔حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فوج کو لے کر پیچھے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اسے فتح قرار دیا! ☆۔۔۔یہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی جنگی چال تھی: بلی کا صبر اور شیر کی چھلانگ! ☆۔۔۔اگر پسپائی نہ ہوتی تو یہ معرکہ قتل عام ہوتا! ☆۔۔۔زندگی میں لڑنے کیلئے کافی سارے اختلافات موجود ہیں، ☆۔۔۔اور کچھ لڑائیوں سے دستبرداری ایک فتح ہوتی ہے، ☆۔۔۔اس زندگی میں ایسی لڑائیاں ہوتی ہیں جن کی تکالیف ان کی جیت سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، چاہے حقیقت میں وہ جنگیں جیت لیں جائیں! ☆۔۔۔رشتہ داروں کے جھگڑوں میں سب سے بہادر وہ ہے جو سب سے زیادہ بزدل ہے! ☆۔۔۔یہ کیسی فتح ہے جس میں لوگ ایک دوسرے کی عزت پہ حملہ کرتے ہیں؟!

نسلِ نو کے ایمان کی حفاظت کریں

اداریہ

گزشتہ دنوں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی۔ سلام دعا کے بعد حال احوال پوچھے تو انہوں نے اپنا ایک انوکھا تجربہ بتایا، جسے سن کر میں لرز گیا وہ بتا رہے تھے کہ گزرے ہوئے چند ماہ سے میں اپنے بچوں میں تبدیلی محسوس کر رہا ہوں۔ بات بات میں وہ ہندی الفاظ بولتے اور باہمی گفتگو کے دوران ہندوانہ رسوم ورواج کے بارے میں تبادلہ خیالات کرتے۔

پہلے پہل تو میں نے اسے نظر انداز کیا لیکن جب ایک تسلسل کے

ساتھ ایسا ہونے لگا تو میرا ماتھا ٹھنکا کہ ہمارے اڑوس پڑوس تو کیا ہمارے آباؤ اجداد میں بھی کوئی ہندو نہیں پھر بچوں پر یہ رنگ کہاں سے چڑھ رہا ہے۔ ایک دن میں تھکا ہارا سرِ شام گھر آیا تو ایک خوفناک دھماکہ میرا منتظر تھا۔ میں نے جوں ہی دہلیز سے اندر قدم رکھا تو میرے دو چھوٹے معصوم بچے، ایک بیٹا اور ایک بیٹی، اچانک میرے سامنے آئے اور دونوں نے ہاتھ جوڑ کر مجھے باقاعدہ ہندوؤں کے انداز میں نمستے کہا۔

میں انہیں کیا کہتا؟ مجھے تو اس وقت زمین اپنے پاؤں تلے سرکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ہمارا گھرانہ گو زیادہ مذہبی نہیں لیکن دین سے محبت اور مذہبی غیرت وحمیت بہر حال ہر فرد میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ نماز اور پردے کی پابندی جیسی ہونی چاہیے، ویسی تو نہیں لیکن پابندی کی کوشش تو سب ہی ضرور کرتے ہیں۔ ایسے میں میری پریشانی کا اندازہ آپ کچھ کچھ خود ہی لگا سکتے ہیں۔

میں نے بچوں کو پیار سے قریب بلا کر جب کچھ پوچھ کچھ کی تو یہ راز فاش ہوا کہ یہ سب کارستانی کسی دشمن کی نہیں، ہمارے اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے۔ ہم نے جس غلطی اور گناہ کو معمولی سمجھ رکھا ہے، وہ تو اندر ہی اندر ہماری جڑیں کھوکھلی کر رہا ہے۔ ہم نے جسے محض بچوں کی تفریح اور وقت گزاری کا ذریعہ خیال کر رکھا ہے وہ تو ہماری نسلوں کو ایمان سے محروم کرنے کی زبردست محنت کر رہا ہے۔

آپ ضرور میرا مطلب سمجھ چکے ہوں گے کہ ہم نے بھی لوگوں کے دیکھا دیکھی اپنے گھر میں ٹی وی لا کر رکھ دیا اور پھر یہ سوچ کر کہ بچے ٹی وی کے تفریحی چینلز سے بھی لطف اندوز

ہوں، ہم نے اُس میں کیبل کا کنکشن بھی لگوا دیا۔ ٹی وی چونکہ گھر کے درمیان میں رکھا ہوتا ہے، اس لئے کبھی خیال بھی نہیں آیا کہ کوئی اسے غلط استعمال کر سکے گا۔ لیکن اب جو صورت حال سامنے آئی تو پتہ چلا کہ یہ شیطانی آلہ بالکل غیر محسوس طریقے سے ہمارے بچوں کی رگوں میں کفر کا زہر اتار رہا ہے۔ میں نے رات ہی کو جب سب گھر والے کھانے پر جمع ہوئے تو ٹی وی کے نقصانات اور اپنے آج کے تجربہ پر اپنے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ایک مختصر سی تقریر کی۔ میں نے سب کو چند ماہ سے گھر کے ماحول میں آئی خوفناک تبدیلی اور بچوں کی نئی عادات کی طرف متوجہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ سب نے ان باتوں میں مجھ سے اتفاق کیا اور ہم نے فوراً ہی اپنے گھر کو ٹی وی کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا۔ اب میں اپنے بچوں کیلئے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسی تفریحی چیزیں گھر لاتا ہوں، جن سے میرے بچے خوش بھی ہوتے ہیں اور اسلام کی بنیادی تعلیمات بھی خود بخود سیکھتے جاتے ہیں۔ مثلاً دینی رسالے، تقاریر اور اشعار کی کیسٹیں، سی ڈیز وغیرہ۔

آپ نے یہ داستان پڑھ لی ہے اور آج یہ کہانی صرف کسی ایک گھر کی نہیں، ننانوے فیصد مسلمان گھرانوں کی ہے۔ بس فرق اتنا ہے کہ جو خوش قسمت ہوتے ہیں، وہ اپنی غلطیوں کے خوفناک نتائج دیکھ کر خود بھی توبہ تائب ہو جاتے ہیں اور اپنی اولاد کو بھی دنیا و آخرت کی تباہی سے بچا لیتے ہیں اور جو کم ہمت ہوتے ہیں، وہ کبھی ہوں ہاں کر کے اور کبھی اپنے دل کو جھوٹی تسلیاں دے کر، کہ باقی سب گھروں میں بھی تو یہی کچھ ہو رہا ہے، وقت گزارتے رہتے ہیں۔

یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ پانی سر سے گزر جاتا ہے اور وہ فحاشی کا کینسر ایک

غلاظت کی شکل میں اُبل پڑتا ہے ۔تب وہ روتے ہیں اور اپنی اولادوں کو کوستے رہتے ہیں کہ انہوں نے ہماری عزت خاک میں ملادی لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ سب تو اپنے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے ۔جب آپ بیج بھی زرخیز زمین میں ڈالیں، اوپر سے مناسب مقدار میں پانی اور کھاد بھی دیتے چلے جائیں تو پھر اس پودے کو اگنے سے کون روک سکتا ہے ۔یاد رکھیں! ندامت اور پشیمانی بھی ایک وقت تک اچھی اور مفید ہوتی ہے، اُس کے بعد وہ حسرت میں ڈھل کر بے فائدہ اور بے کار ہو جاتی ہے ۔

ہمارے دشمنوں نے بڑی تیزی اور تدبیر سے ہمارے گھروں تک یہ آلاتِ تباہی پہنچا دئیے ہیں اور اب ان سے بچنے کیلئے فولادی عزم، آہنی حوصلے، بہترین تدبیر اور زبردست حکمت و دانائی کی ضرورت ہے ۔اس کے بغیر میڈیا کی لگائی ہوئی آگ کی تپش سے بچنا تقریباً ناممکن اور اور محال ہے ۔

آپ اپنے گھروں کو اس آگ سے کیسے بچائیں؟ عملی طور پر یہ آج کا اہم ترین سوال ہے؟ اس کا اصل جواب دینے سے پہلے ہم کو فارسی کا ایک مقولہ یاد دلانا چاہیں گے ۔بڑے بزرگ کہا کرتے تھے کہ:

''خانۂ خالی را دیو می آورد''

(یعنی خالی گھر میں تو جنات ہی اپنا بسیرا کرتے ہیں گھر کو آباد رکھیں گے تو خود ہی یہ خطرہ ختم ہو جائے گا) اسی طرح جب ہم اور ہمارے بچے فارغ اور فالتو رہیں گے تو شیطان ضرور ہمیں گمراہی کی طرف لے جائے گا اور ہمیں ایسے کاموں میں مشغول کر دے گا، جس میں

ہماری دنیاو آخرت کی تباہی و بربادی یقینی ہے۔اس لیے اگر ہم اپنے جانی اور ایمانی دشمن کے وار سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے گھروں میں اچھی اور مفید مصروفیات پیدا کرنی ہوں گی۔تا کہ ہمارے اوقات اچھے کاموں میں لگتے رہیں اور برے کاموں کیلئے کوئی وقت بچ ہی نہ سکے۔

یہ اچھی اور مفید مصروفیات بہت سی ہوسکتی ہیں۔مثلاً ہم روزانہ اپنے گھروں میں ایک وقت مقرر کر کے قرآن مجید کی تلاوت کریں،اس سے ہمارے گھروں میں جو برکات نصیب ہوں گی اور جو پریشانیاں دور بھاگیں گی،اُن کا اندازہ تو صرف عمل کر کے ہی ہوسکتا ہے۔

اسی طرح اگر ہم پابندی سے پہلے سب کی ذہن سازی کر کے،اپنے گھروں میں ایک مقررہ وقت پر کسی دینی کتاب کی تعلیم کروائیں مثلاً فضائل اعمال اور فضائل جہاد پڑھ کر سنادی۔ ''بنات عائشہ رضی اللہ عنہا''میں کوئی مضمون حسبِ حال اور دلچسپ لگا تو وہ پڑھ کر سنا دیا تو اس سے ہمارے اور ہماری اولادوں کے اوقات بھی قیمتی بنیں گے،ہم دین کے بارے میں بہت کچھ سیکھ بھی جائیں گے اور ٹی وی جیسی بیماریوں سے بھی محفوظ رہیں گے۔

ایسی سلسلے کو مزید دلچسپ بنانے کیلئے ہم یہ بھی کر سکتے ہیں کہ ہفتے یا مہینے میں ایک تاریخ پہلے سے طے کر کے بچوں کے درمیان دینی معلومات کا آسان اور دلچسپ مقابلہ کروایا جائے۔جو بچہ اس میں زیادہ درست جواب دے اس کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ہو سکے تو انعام بھی دیا جائے۔اس سے بچوں کے درمیان پورے ہفتے یا مہینے گرم جوشی برقرار رہے گی اور وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اس مقابلے میں شرکت کی تیاری کریں گے۔

اس سلسلے میں ماہنامہ ”بنات عائشہ رضی اللہ عنہا“ میں لکھنے والی بہنیں بھی اپنے تجربات کی روشنی میں بہترین تجاویز ہمیں بھیج سکتی ہیں، جنہیں ہم شکریے کے ساتھ شائع کریں گے۔اب ضرورت اس بات کی ہے ہم اپنے اردگرد بلکہ اپنے گھروں میں لگی ہوئی اس آگ کی تپش اور اس کی تباہ کاریوں کو محسوس کریں اور پھر دیوانہ وار خود کو' اپنے گھروں اولادوں اور تمام مسلمانوں کو اس آگ سے بچانے کی کوشش کریں۔

اگر خدانخواستہ ہم نے مزید سستی اور غفلت سے کام لیا تو ہماری نسلوں کا ایمان' اخلاق اور کردار سب کچھ داؤ پر لگ سکتا ہے۔آج ”نمستے“ کہنے والے بچے کل بڑے ہو کر کس ڈگر پر چلیں گے' اس کو سمجھنے کیلئے کوئی بہت زیادہ عقل مندی کی ضرورت نہیں اور اسلامی تعلیمات سے بیگانگی ہماری نسلوں کو کس طرف لے جائے گی اس کو سوچنے کیلئے بھی کوئی دانش ور ہونا ضروری نہیں۔پھر کفریہ عادات و اطوار سے مانوس یہ بچے کل بڑے ہو کر محمد بن قاسم' صلاح الدین ایوبی، محمود غزنوی رحمہم اللہ تعالیٰ کا کردار ادا کریں گے یا ان مین سے میر جعفر، میر صادق اور پرویز مشرف پیدا ہوں گے؟ اس سوال کا جواب بھی کوئی مشکل یا پیچیدہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اور ہماری نسلوں کے ایمان کی حفاظت فرمائیں اور دین و دنیا کی سلامتی ہمیں نصیب فرمائیں۔

آمین ثم آمین، بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

والسلام

محمد منصور احمد عفا اللہ عنہ

حضرت امیر المجاہدین مولانا محمد مسعود ازہر حفظہ اللہ تعالیٰ

باتیں اور یادیں

اللہ تعالیٰ تمام ’’اسیرانِ فی سبیل اللہ‘‘ کو باعزت، باعافیت رہائی عطاء فرمائے...... رات کو کئی ایسے حضرات بے ساختہ یاد آ گئے جو بہت طویل عرصہ سے قید ہیں...... بعض کو تو پچیس سال سے بھی زائد کا عرصہ بیت گیا ہے...... ایک صدی کا چوتھائی حصہ جیل میں...... یا اللہ رحم فرما...... آج کی مجلس میں کچھ ملی جلی باتیں ہوں گی...... آج صبح سے اتفاقاً یاد آ گیا کہ آج 31 دسمبر کا دن ہے...... پھر 31 دسمبر 1999ء کی یاد اور یادگاروں میں کھو گیا...... انیسویں صدی کا آخری دن...... اس دن جمعہ مبارک تھا...... رمضان المبارک کا مہینہ تھا...... اور ہجری اسلامی سال سنہ ۱۴۲۰ھ چل رہا تھا...... روزہ جموں میں رکھا تھا اور ’’افطار‘‘ قندھار میں ہوا...... اللہ

تعالیٰ جب چاہتا ہے فاصلے سمیٹ دیتا ہے...... ''وساوس'' کا موضوع بھی کئی ہفتے سے لٹکا ہوا ہے...... آج اس پر بھی ان شاء اللہ کچھ بات ہوگی...... روح المعانی میں حضرت شیخ علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر بحث فرمائی ہے کہ...... درود شریف کا سب سے افضل صیغہ کون سا ہے؟ یہ بحث پڑھی تو جستجو بڑھ گئی...... اس موضوع پر دیگر اہل علم کی کئی تحریریں بھی پڑھ ڈالیں...... تشفی تو ہوگئی ہے مگر پیاس نہیں بجھی...... "صلوٰۃ علی النبی " یعنی نبی کریم ﷺ پر درود شریف کا موضوع ہی ایسا ہے کہ...... اس میں پیاس نہیں بجھتی......

حضرت آقا مدنی ﷺ کے ہم پر جتنے احسان ہیں...... اُن کو دیکھتے ہوئے تو اگر ہم ہر سانس کے ساتھ بھی درود شریف پڑھیں تو حق ادا نہیں ہوسکتا...... درود شریف کا افضل صیغہ کون سا ہے؟ فی الحال اس بحث میں پڑے بغیر...... میں آج کے کالم میں وہ ''صیغے'' مختلف مقامات پر لکھتا جاؤں گا...... جن کے افضل ہونے پر کسی اہل علم کا قول موجود ہے...... آئیے پہلے صیغے کا جام اُٹھائیے......

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

وسوسہ...... بنیادی معلومات

''وسوسے'' کا معاملہ اہم ہے...... اس معاملے کو درست طریقے سے سمجھنا ہو تو دو کام کریں...... پہلا یہ کہ قرآن مجید میں جہاں بھی...... وسوسے کے موضوع کا بیان ہے...... اسے

اچھی طرح پڑھ لیں...... دوسرا یہ کہ احادیث مبارکہ میں ...... وسوسے کے بارے میں جو ارشادات آئے ہیں...... ان کو اچھی طرح سمجھ لیں......بس پھر یہ معاملہ دل میں بیٹھ جائے گا ان شاء اللہ......قرآن مجید نے اپنی آخری سورت میں اس معاملے کو ذکر فرمایا ہے......اس میں بتایا گیا کہ......

(۱)''وسوسہ'' اُن چیزوں میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہنا چاہیے...... یعنی وسوسہ ایک بری اور خطرناک چیز ہے جو کسی مسلمان کے لئے نقصان دہ ہو سکتی ہے (۲) خطرناک وسوسہ ڈالنے والے کو خناس کہتے ہیں کیونکہ وہ چھپ کر وار کرتا ہے......وسوسہ ڈال کر چھپ جاتا ہے...... یا اپنے وسوسے کو خیر خواہی کے پردے میں چھپا کر ڈالتا ہے......(۳) وسوسہ ڈالنے والا خناس...... جنات یعنی شیاطین میں سے بھی ہوتا ہے...... اور انسانوں میں سے بھی......

"اَللّٰھُمَّ یَا رَبَّ النَّاسِ، یَا مَلِكَ النَّاسِ، یَا اِلٰهَ النَّاسِ... اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ... الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ"

''وسوسہ'' کہتے ہیں......

"تردد الشیء فی النفس من غیر ان یطمئن الیہ ویستقر عندہ"...

انسان کے جی میں کسی بات کا آنا جانا...... وہ بات دل میں پکی نہ بیٹھی ہو اور اس پر دل کو یقین اور اطمینان بھی نہ ہو......

وسوسہ سے شریعت کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا...... کفر کے وسوسے سے کوئی کافر نہیں ہوتا...... ناپاکی کے وسوسے سے غسل واجب نہیں ہوتا...... بدکاری کے وسوسے سے کوئی سزا لاگو نہیں ہوتی اور نہ پاکدامنی پر کوئی فرق پڑتا ہے...... خطرناک سے خطرناک وسوسے پر بھی کوئی گناہ نہیں ہوتا......

وسوسہ ایمان والوں کو...... دین والوں کو...... اور اللہ والوں کو...... زیادہ آتا ہے...... بہت خطرناک آتا ہے...... اور اس وسوسے کی وجہ سے ان کو جو تکلیف ہوتی ہے اس پر ان کے درجات بلند ہوتے ہیں...... یہ ہیں چند ضروری معلومات...... انہیں یاد رکھیں...... اور وسوسے کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ کر درود شریف پڑھیں......

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ وَ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰی آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

تاریخی دن

اللہ تعالیٰ نے حضرت آقا مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو...... ہر نعمت دوسری امتوں سے افضل عطاء فرمائی ہے...... سب سے افضل نبی...... سب سے افضل کتاب، سب سے افضل شریعت ...... سب سے افضل زمانہ...... اور سب سے افضل اعمال...... حضرت آقا مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی امت سے بے انتہا محبت ہے...... آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے لئے...... وہ سب کچھ کیا...... جو کوئی اور کسی کے لئے نہیں کرسکتا...... حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کی خوشی کو اپنی خوشی اور امت

کے غم کو اپنا غم بنایا...... یہاں تک کہ قیامت کے سخت دن بھی...... آپ ﷺ ’’اُمتی اُمتی‘‘ فرما رہے ہوں گے...... اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی ﷺ ’’امتی امتی‘‘ کہتے نہیں تھکتے تو ہم...... اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کہتے ہوئے کیوں ڈھیلے پڑ جاتے ہیں......

دراصل ہم نے ’’صلوٰۃ وسلام‘‘ کے مقام کو سمجھا ہی نہیں...... حتیٰ کہ ہم میں سے کئی لوگ تو اسے عبادت بھی نہیں سمجھتے...... بس ثواب کے لئے ایک نفل عمل سمجھ لیتے ہیں...... حالانکہ یہ افضل ترین عبادات اور اعلیٰ ترین طاعات میں سے ہے...... اور یہ اللہ تعالیٰ کے قرب کو پانے کا بہترین ذریعہ ہے...... علامہ آلوسیؒ نے اس بات پر اجماع لکھا ہے کہ...... صلوٰۃ وسلام علی النبی...... یعنی حضور اقدس پر صلوٰۃ وسلام بھیجنا...... ہر مسلمان پر فرض عین ہے...... اور قرآن مجید میں جو حکم فرمایا گیا ہے کہ...... ان پر درود اور سلام بھیجو...... یہ وجوبی حکم ہے...... اور ہر مسلمان کے لئے زندگی میں کم از کم ایک بار...... اس حکم پر عمل کرنا فرض ہے......

بات یہ چل رہی تھی کہ...... اس امت کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آقا مدنی ﷺ کی برکت سے ہر چیز...... دوسروں سے افضل اور بہتر عطاء فرمائی ہے...... چنانچہ اس امت کو اپنے مہینے، اپنا سال اور اپنی تاریخ بھی عطاء فرمائی گئی...... ہم اسے قمری، ہجری، اسلامی تاریخ کہتے ہیں...... اللہ کرے تمام اسلامی ممالک...... اپنی اس تاریخ کو اپنا لیں...... یقیناً اس تاریخ میں بہت خیر اور برکت ہے...... اس وقت چونکہ دنیا پر صلیبیوں کا غلبہ ہے اس لئے انہوں نے اپنی تقویم اور تاریخ ہر جگہ چلا رکھی ہے...... 31 دسمبر 1999ء کا دن ان کے نزدیک بہت تاریخی تھا...... کیونکہ...... اس پر ان کی تاریخ کے دو ہزار سال مکمل ہو رہے تھے...... اور وہ اس موقع پر......

”ملینیم“ کا جشن زور شور سے منا رہے تھے..... ہندوستان میں بھی چونکہ انگریزوں کا راج آج تک جاری ہے..... اس لئے وہاں بھی ”ملینیم“ کا شور تھا..... مگر ہندوستان کی گردن بہت بری طرح سے..... قندھار میں پھنسی ہوئی تھی..... ہندوستان 1971ء کے بعد سے ہر دسمبر میں..... اپنی فتح کا جشن منا تا رہا ہے..... جب اس کی افواج کے سامنے..... پاکستانی فوج کی مشرقی کمان نے ہتھیار ڈالے تھے..... یہ تاریخ اور یہ واقعہ ہندوستان میں بہت فخر، مبالغے اور شیخی کے ساتھ یاد کیا جاتا تھا..... مگر 1999ء کے دسمبر نے اس غبارے سے ہوا نکال دی..... 1971ء میں تو..... انڈیا کی لاکھوں فوج کے سامنے اپنے ملک سے کٹے ہوئے..... پاکستانی فوجیوں نے ہتھیار ڈالے تھے..... مگر 1999ء کے دسمبر میں انڈیا کی سترہ لاکھ سے زائد فوج..... اور ایک ارب عوام نے..... چند مجاہدین کے سامنے انتہائی ذلت ناک حالت میں ہتھیار ڈال دیئے..... اور یوں حساب برابر ہی نہیں ہوا..... بلکہ اُلٹا اینٹ کو پتھر ملا..... یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل تھا..... یہ اس امت مسلمہ کی شان اور فتح تھی..... اس دن کے بعد سے انڈیا..... اب دسمبر کا فاتحانہ جشن تقریباً بھول چکا ہے..... اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو مزید ترقی اور فتوحات عطاء فرمائیں..... آئیے شکر ادا کرتے ہیں..... درود شریف کے دو صیغے جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں.....

(۱) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ کُلَّمَا ذَکَرَكَ الذَّاکِرُوْنَ وَ کُلَّمَا سَهَا عَنْهُ الْغَافِلُوْنَ

(یہ حضرت امام شافعیؒ والے صیغے سے مختلف ہے)

(۲) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا ھُوَ اَھْلُهٗ وَ مُسْتَحِقُّهٗ (روح المعانی)

صریح الایمان

احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ......کئی صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے ’’وسوسے‘‘ کی شکایت عرض کی......وہ اپنے ’’وساوس‘‘ پر سخت غمزدہ تھے......اور عرض کر رہے تھے کہ یارسول اللہ! ایسے وسوسے آتے ہیں کہ......اُن کو بیان کرنے سے بہتر یہ لگتا ہے کہ ہم آگ میں جل کر کوئلہ ہوجائیں ......ایسے وسوسے آتے ہیں کہ......اُن کے مقابلے میں آسمان سے گر کر مرجانا ہمارے لئے بہتر ہے......وغیرہ وغیرہ......آپ ﷺ نے یہ سن کر خوشی کا اظہار فرمایا......اللہ اکبر کا نعرہ بلند فرمایا ......اور بشارت دی کہ

ذاك صريح الايمان

یہ تو خالص ایمان ہے (مسلم)

اور ساتھ یہ بشارت بھی عطاء فرمائی کہ

ان الله تجاوز لامتى عما وسوست به انفسها مالم تعمل او تتكلم

(بخاری)

اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے نفس کے وسوسے معاف فرمادیئے ہیں......جب تک کہ کوئی اُن کو عمل میں نہ لائے......اور زبان سے نہ بولے......

ایک صحابی نے عرض کیا کہ......شیطان میری نماز میں وسوسے اور خلل ڈالتا ہے......

ارشاد فرمایا......اس کا نام ’’خنزب‘‘ ہے......جب تمہیں وہ محسوس ہو تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو......اور بائیں طرف تین بار تھوک دو......صحابی نے یہ عمل کیا تو اُن کی یہ تکلیف اللہ تعالیٰ

نے دور فرمادی......(صحیح مسلم)

وسوسہ...... ایمان والوں کو آتا ہے...... جبکہ...... بے ایمان اور گمراہ لوگوں کو تو شیطان باقاعدہ "وحی" کرتا ہے...... وہ ان کے دل میں...... آواز دیتا ہے اور وہ اسے یقینی سمجھ کر اس پر عمل کرتے ہیں...... آپ نے دیکھا ہو گا کہ...... کئی لوگ طرح طرح کے دعوے کرتے ہیں...... کوئی نعوذ باللہ نبوت کا مدعی بن جاتا ہے تو...... کوئی خود کو مسیح یا مہدی کہہ دیتا ہے...... یہ وسوسے سے نہیں ہوتا...... یہ "شیطانی وحی" سے ہوتا ہے اس لئے...... ہر مسلمان کو کوشش کرتے رہنا چاہیے کہ...... وسوسے کو آگے نہ بڑھنے دیں...... وسوسے کی کئی قسمیں خطرناک ہیں مثلاً

(۱) اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں شکوک وشبہات کے وسوسے...... اُن کا تذکرہ کئی احادیث مبارکہ میں آیا ہے...... اس کے بارے میں فرمایا گیا کہ...... ایسے وساوس کو فوراً روک دینا چاہیے......(مسلم) اور کہنا چاہیے "آمَنْتُ بِاللّٰہِ"...... میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر (مسلم) روکنے کا اچھا طریقہ یہ ہے کہ خود کو کسی اچھے کام میں لگا لیں...... زیادہ وسوسے غم اور فخر کی حالت میں حملہ کرتے ہیں...... تب اپنی اس حالت کو فوراً بدل دیں...... غم کو بدلنے کے لئے...... اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کر کے شکر ادا کریں...... اور فخر وخوشی کی حالت کو ٹھیک کرنے کے لئے...... اپنے گناہ اور کمزوریاں یاد کر کے استغفار کریں...... اور درود وسلام کے نظام محبت میں غوطہ لگائیں......

☆ اپنی ذات کے بارے میں وسوسے کہ...... میں کوئی بڑی چیز ہوں...... میں عام انسانوں سے بلند ہوں...... میں بڑے مقام والا ہوں مگر میری قدر کوئی نہیں کرتا......

وغیرہ......ایسے وسوسے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دور ہوتے ہیں......اور انسان یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ اگر اس کی پردہ پوشی نہ فرمائیں تو وہ......غلاظت، کمزوری اور گناہ کا ایک ڈھیر ہے......

☆ اپنی ذات کے بارے میں وسوسے کہ......میں بالکل بے کار ہوں میری بخشش ہو ہی نہیں ہو سکتی...... میں کبھی نہیں سدھر سکتا...... یہ خطرناک مایوسی ہے...... ایسے وقت میں......انسان اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد کرے......اس کی رحمت کو یاد کرے......کلمہ طیبہ پڑھ کر اس کی قیمت یاد کرے...... درود شریف پڑھ کر......اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو اپنے اوپر برستا محسوس کرے......

☆ پاکی اور طہارت کے بارے میں وسوسے...... اس کا طریقہ......علم ہے...... طہارت کے مسائل کا علم حاصل کرے......کسی عالم کی نگرانی میں وضو اور پاکی کر کے اطمینان حاصل کرے...... اور سورہ والناس کا زیادہ ورد کرے......اور اپنے دماغ کو خشکی سے بچائے...... وساوس اور ان کے علاج کے بارے میں یہ چند اشارے عرض کر دئیے ہیں...... چند دن قبل......حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا سکھایا ہوا علاج بھی عرض کیا تھا کہ......سورہ الحدید کی یہ آیت مبارکہ پڑھے......

(هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ)

آئیے درود شریف کا جام بھرتے ہیں......

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ اَفْضَلَ صَلَوٰتِكَ وَعَدَدَ مَعْلُوْمَاتِكَ

(روح المعانی)

سنا کر کیا کریں گے؟

آج صبح سے اُنیس سال پہلے والے...... 31 دسمبر 1999ء کی یادیں...... زندگی میں پہلی بار...... اس قدر شدت سے دل و دماغ پر اُبھر آئیں...... کوشش کی کہ...... کسی کو سنا دوں مگر موقعہ نہ بنا...... تب رنگ و نور لکھنے بیٹھ گیا کہ...... اس میں آجائیں گی...... مگر یہاں...... وساوس کا موضوع چل پڑا...... تب سوچا کہ...... اپنی باتیں تو بس باتیں ہی ہوتی ہیں...... سنا کر کیا کریں گے...... اللہ تعالیٰ دین کی باتیں سننے سنانے کی مزید توفیق عطاء فرمائیں اور...... صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحیح ذوق...... نصیب فرمائیں...... آئیے حضرت علامہ آلوسیؒ کی تحقیق کے آخری...... صیغے سے...... اپنی مجلس پر...... مسک الختام...... لگاتے ہیں......

اَللّٰھُمَّ صَلِّ اَبَداً اَفْضَلَ صَلَوٰتِكَ عَلٰی سَیِّدِنَا عَبْدِكَ وَ نَبِیِّكَ وَ رَسُوْلِكَ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ وَ سَلِّمْ عَلَیْهِ تَسْلِیْمًا وَ زِدْهُ شَرَفًا وَّ تَکْرِیْمًا وَّ اَنْزِلْهُ الْمَنْزِلَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ (روح المعانی)

لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اللھم صل علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وبارك وسلم تسلیما

کثیرا کثیرا

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

☆......☆......☆

اُم حبیب

اولاد کو بگڑنے سے کیسے بچائیں

فرد معاشرے کی اکائی ہے تو افراد سے مل کر معاشرہ وجود میں آتا ہے اور معاشرہ میں ہر فرد دوسرے پر کچھ حقوق رکھتا ہے، جتنا زیادہ وہ دوسرے کے قریب ہوتا ہے اتنے ہی زیادہ حقوق بھی بڑھ جاتے ہیں معاشرہ ان باہمی تعلقات سے ہی مربوط ہوتا ہے سب سے زیادہ قریبی تعلق اولاد اور والدین کا ہوتا ہے اولاد اور والدین کے ایک دوسرے پر معاشرتی حقوق بھی ہیں اور شرعی حقوق بھی ہر دو کا ادا کرنا دونوں کے لیے ضروری ہے۔

بلاشبہ اسلام نے والدین کو ایک عظیم مقام و مرتبہ سے نوازا ہے جن کا حق ادا کیے بغیر جنت کا حصول ممکن نہیں اور والدین کا نافرمان باوجود اپنے نیک اعمال کے آخرت میں ناکام و نامراد ہے، لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام نے والدین

سے اولاد کے حقوق ادا کرنے کا بھی شدت سے مطالبہ کیا ہے اگر والدین کا نافرمان جنت سے محروم ہوگا تو اولاد کے حقوق ادا نہ کرنے والا بھی قیامت کے دن عدالت الٰہی میں مجرم کی طرح کھڑا ہوگا وہ بھی اس کوتاہی کا جواب دیے بغیر جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ لیکن افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ بعض والدین تو اولاد کو بالکل آوارہ اور مہمل چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ جلد ہی صحبتِ بد کا شکار ہو کر معاشرے کے لیے ناسور بن جاتے ہیں اور بعض ان کی تربیت اس نہج پہ کرتے ہیں جو غیر اسلامی ہوتی ہے اپنی دانست میں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اولاد کا حق ادا کر دیا حالانکہ وہ ان حقوق سے ناواقف ہونے کی وجہ سے جو اسلام نے ان پر عائد کئے ہیں۔ بچوں کی غلط تربیت سے ان میں اسلامی فکر اور مسلم اقدار کو مضمحل کر دیتے ہیں چنانچہ صحیح اسلامی روح بیدار نہ ہو سکنے کی وجہ سے وہ بچہ اسلامی تہذیب و ثقافت کو غیر اقوام کے مقابلہ میں ہیچ سمجھنے لگتا ہے اور یوں وہ آہستہ آہستہ مغرب پرستی اور الحاد کی طرف بڑھ جاتا ہے اس سلسلہ میں ضرورت تھی کہ اولاد کے حقوق بیان کر دیئے جائیں اور چند اوراق میں ان حقوق کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے، جو والدین پر عائد ہوتے ہیں۔ اس میں خالص شرعی نصوص کو سامنے رکھا ہے اور بقدرِ ضرورت تربیت اولاد میں جابجا سابقہ علماء کے پر حکمت اقوال بھی نقل کئے ہیں اس لیے کہ حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے جہاں ملے وہ اسے اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔

شیر خوارگی اور بچپن

بچے کی پیدائش سے قبل والدین کو اللہ رحیم و کریم سے نیک اولاد کی دُعا مانگنی چاہیے اور دل میں اولاد کو کسی بھی ایسے شعبہ سے منسلک کرنے کا خیال نہ ہو جس میں اللہ رب العزت

کی نافرمانی کا پہلو نکلتا ہو بلکہ نیت ہو اللہ ایسی اولاد دے جو نیک اور پرہیزگار ہو اس سلسلہ میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی اس حدیث کو سامنے رکھنا چاہیے:

(اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَ اِنَّمَا لِامْرِیءٍ مَانَوٰی)

''اعمال کا اعتبار نیتوں کے ساتھ ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی چیز ہے جس کی اس نے نیت کی''

اور نیک اولاد مانگنے کا درس ہمیں قرآن حکیم سے بھی ملتا ہے جیسا کہ سیدنا ابراہیمؑ نے اپنے رب سے دُعا مانگی:

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (الصافات: ۱۰۰)

''اے میرے رب مجھے نیک اولاد عطا فرما۔''

جب اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کو اولاد سے نواز دیتا ہے تو بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی والدین کی کچھ ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں جن کو ادا کرنا والدین کے لیے ضروری ہوتا ہے دوسرے لفظوں میں والدین پر اس شیر خوار بچے کے کچھ حقوق ہیں جو اسلام نے مقرر کئے ہیں۔ ذیل میں ہم مختصر طور پر ان کا ذکر کرتے ہیں۔

تحنیک یعنی گھٹی دینا:

تحنیک کا مطلب ہے کسی نیک مرد یا عورت سے کوئی میٹھی چیز مثلاً کھجور وغیرہ چبا کر تالو میں لگا دینا اور بچے کے لیے خیر و برکت کی دُعا کروانا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوطلحہؓ کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو انہوں نے مجھے کہا کہ اسے اٹھاؤ اور

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ اور اس کے ساتھ کچھ کھجوریں بھی بھیج دیں۔ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے بچے کو اٹھایا اور فرمایا:

(اَمَعَهُ شَیءٌ؟ قَالُوْا نَعَمْ تَمَرَاتٌ فَاَخَذَهَا النَّبِیُ عَلَیْهِ السَّلامُ فَمَضَغَهَا ثُمَّ اَخَذَهَا مِنْ فِیْهِ فَجَعَلَهَا فِیْ فِیّ الصَّبِیّ ثُمَّ حَنَّکَهُ وَسَمَّاهُ عَبْدَاللّٰهِ)

''کیا اس (بچے) کے ساتھ کوئی چیز بھی ہے عرض کیا جی ہاں! کچھ کھجوریں ہیں آپ ﷺ نے کھجوروں کو چبایا پھر اپنے منہ سے نکال کر بچے کے منہ میں رکھ دیں اور اسے گُھٹی دی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

(یُؤتی بِالصِّبْیَانِ فَیُبَرِّکُ عَلَیْهِمْ وَیحنِّکُهُمْ)

''رسول اللہ ﷺ کے پاس بچوں کو لایا جاتا تھا آپ ان کے حق میں خیر و برکت کی دُعا کرتے اور ان کے تالو میں کھجور چبا کر لگا دیتے۔''

معلوم ہوا کہ پیدائش کے بعد بچے کو گُھٹی دینا سنت ہے کھجور دستیاب ہو تو بہت خوب ورنہ جو بھی میٹھی چیز دستیاب ہو اس سے گُھٹی دی جاسکتی ہے اور چیز کو اس قدر چبایا جائے کہ نومولود اسے نگل سکے نیز گُھٹی دینے والا نیک اور صاحبِ تقویٰ آدمی ہونا چاہیے اگر وہ وہاں موجود نہ ہو تو بچے کو اس کے پاس لے جایا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ حدیث مذکورہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جایا گیا۔

عقیقہ کرنا:

ولادت کے ساتویں روز بچے کی جانب سے عقیقہ کرنا چاہیے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ لڑکے کی جانب سے دو بکریاں یا اس کے مشابہ جانور (بھیڑ، دنبہ، چھترا وغیرہ) اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری یا اس کے مشابہ جانور ذبح کرنا چاہیے۔ جیسا کہ سیدہ اُم کرز رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ)

وہ لڑکے کی جانب سے ایک جیسی دو بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری ذبح کریں۔ اور عقیقہ کے لیے جانور ذبح کرتے ہوئے یہ دُعا پڑھنی چاہیے:

(بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ لَکَ وَاِلَیْکَ هٰذِهِ عَقِیْقَةُ فُلَانٍ)

"اے اللہ یہ تیرا مال ہے اور تیری خدمت میں حاضر ہے یہ فلاں بچے کا عقیقہ ہے۔"

عقیقہ اگر کسی وجہ سے ساتویں روز نہ کیا جا سکے تو چودھویں یا اکیسویں روز بھی کرنا جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(اَلْعَقِیْقَةُ تُذْبَحُ لِسَبْعٍ وِلِاَرْبَعَ عَشَرَةَ وَلِاَحَدٍ وَّعِشْرِیْنَ)

"عقیقہ ساتویں دن کیا جائے یا چودھویں دن یا پھر اکیسویں دن۔"

اس کی تائید میں سعودی مجلس افتاء کا فتویٰ بھی موجود ہے چنانچہ فتاویٰ اسلامیہ (۳۲۵/۲) میں ہے: "ہاں ساتویں روز کے بعد بھی عقیقہ کفایت کر جاتا ہے لیکن پیدائش کے ساتویں روز سے اسکو موخر کرنا خلافِ سنت ہے۔"

معلوم ہوا کہ عقیقہ ساتویں روز ہی کرنا چاہیے، ہاں کسی وجہ سے رہ جائے تو ان دنوں

میں بھی کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ بچہ ابھی تک گروی ہے اور اسے گروی سے چھڑانے کے لیے عقیقہ کرنا ہی پڑے گا۔

یاد رہے کہ عقیقہ سنت موکدہ ہے احادیث میں اس کی بڑی تاکید بیان ہوئی ہے لیکن یہ واجب نہیں ہے۔ صاحب استطاعت کو ضرور اس حق کو ادا کرنا چاہیے۔ یہ والدین پر بچے کا حق ہے بلا عذر اسے چھوڑنا نہیں چاہیے۔ تاہم بعض احادیث میں اس بارے اختیار بھی دیا گیا ہے جیسے:

(مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَنْسُکَ عَنْ وَلَدِہٖ فَلْیَنْسُکْ عَنْهُ، عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُکَافَاتَانِ وَعَنِ الْجَارِیَةِ شَاةٌ)

''جس کے ہاں بچہ پیدا ہو پھر اس کا عقیقہ دینا پسند کرے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے۔''

اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے ذیل کی آیات بھی واضح ہیں:

(۱)﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (بقرہ: ۲۸۶)

''اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف میں نہیں ڈالتے۔''

(۲)(فَاتَّقُو اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ)

''اللہ سے ڈرتے رہو جہاں تک تم میں طاقت ہو۔''

اچھا اور اسلامی نام رکھنا:

سات دن کے اندر اندر بچے کا نام تجویز کر لینا چاہیے۔ ولادت کے روز بھی نام رکھا

جاسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرزند ابراہیم کا نام ولادت کے روز ہی رکھا تھا۔ ہاں اگر ولادت کے روز نہ ہوسکے تو سات دن کے اندر اندر بچے کا نام رکھ دینا چاہیے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارک ہے:

(اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہ ﷺ اَمَرَ بِتَسْمِیَۃِ الْمَوْلُوْدِ یَوْمَ سَابِعِہٖ وَوَضْعِ الْاَذٰی عَنْہُ وَالْعَقِّ)

"رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ساتویں روز بچے کا نام رکھ دیا جائے اور اس کے بال اتروادیئے جائیں اور اس کا عقیقہ کردیا جائے۔"

والدین پر اولاد کا حق ہے کہ والدین اپنے بچوں کا شرعی تقاضوں کے مطابق اچھا نام رکھیں اس ضمن میں درج ذیل باتوں کو سامنے رکھنا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(اَحَبُّ اَسَمَاءِ کُمْ اَلَی اللّٰہِ عَبْدُاللّٰہِ وَ عَبْدُالرَّحْمٰن)

"اللہ کے ہاں تمہارے سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں"

اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے اہل علم نے لکھا ہے جس طرح اللہ اور رحمٰن کے شروع میں عبد کا لفظ استعمال ہوا ہے اسی طرح اللہ جل جلالہٗ کے جتنے اسمائے حسنی ہیں ان کے شروع میں عبد کا لفظ لگا کر نام رکھا جاسکتا ہے۔ جیسے عبدالباری، عبدالحکیم، عبدالعزیز وغیرہ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ناموں کے بعد انبیاء کرام کے ناموں پر بھی نام رکھے جاسکتے

ہیں۔ جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صاحبزادے کا نام ابراہیم رکھا جو ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

انبیاء کرام میں انبیاء و رسل کے امام حضرت محمد ﷺ ہیں جن کے صفاتی نام احادیث کی کتابوں میں مذکور ہیں ان ناموں پر بھی نام رکھے جا سکتے ہیں۔ جیسے مصطفیٰ، مرتضیٰ، مزمل، مدثر، جواد، امین اور محمود وغیرہ۔

شہداء اور مسلمان جرنیلوں کے ناموں پر بھی نام رکھے جا سکتے ہیں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ''تحفہ المودود باحکام المولود'' میں ایک دلچسپ واقعہ ذکر کیا ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے دس لڑکے عنایت فرمائے تو انہوں نے سب کے نام نبیوں کے ناموں پر رکھے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے دس لڑکے عنایت فرمائے تو انہوں نے سب کے نام شہداء کے ناموں پر رکھے۔ ایک مرتبہ حضرت طلحہؓ نے حضرت زبیرؓ سے کہا: میں نے اپنے تمام بچوں کے نام انبیاء کرام کے ناموں پر رکھے ہیں تو حضرت زبیرؓ نے فرمایا: ''میری خواہش تو یہ ہے کہ میرے بچے اللہ کی راہ میں شہید ہو کر شہداء کا درجہ پائیں لیکن تمہاری یہ خواہش ہرگز نہیں ہے کہ تمہاری اولاد میں سے کوئی نبی بنے۔ (اس لیے کہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا فعل حضرت طلحہؓ کے فعل سے افضل تھا۔

ایسے نام بچوں کے نہیں رکھنے چاہیں جن کا معنی اچھا نہ ہو اس لیے کہ شخصیت کا اپنے

نام کے ساتھ ایک خاص تعلق ہوتا ہے۔ اچھے ناموں کے اچھے اثرات ہوتے ہیں اور بُرے ناموں کے بُرے اثرات۔ مشہور تابعی حضرت سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ میرے دادا نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا ''حزن'' (سخت زمین) آپ ﷺ نے فرمایا تو سہل (آسان، نرم) ہے انہوں نے کہا جو نام میرے والد نے رکھ دیا ہے۔ میں اسے نہیں بدلوں گا۔ حضرت سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ (اس نام کے سبب) پھر ہمارے خاندان پر مسلسل سختی چھائی رہی۔

آج کل بعض والدین ان احکام سے ناواقفیت کی بنا پر اپنے بچوں کے ایسے نام رکھ لیتے ہیں جو شرکیہ ہوں جیسے عبدالنبی (نبی کا بندہ) یا عطاء الرسول (رسول کا عطا کردہ) بعض لوگوں کے ہاں جب ایک عرصہ تک اولاد نہیں ہوتی تو وہ کسی مزار پر جا کر منت و نذر مانتے ہیں۔ جب اللہ اپنی عطاء اور مرضی سے انہیں اولاد کی خوشیاں دیتا ہے تو وہ اسے صاحبِ قبر کا عطیہ سمجھ کر شرکیہ نام رکھ دیتے ہیں جیسے غوث بخش اور بعض اہل بیت کی محبت میں ایسے نام رکھ دیتے ہیں جن کا مطلب صحیح نہیں ہوتا جیسے کلب عباس (عباس کا کتا) کلب علی (علی کا کتا) اور بعض ہیں کہ اپنے بچوں کے لیے فلمی ستاروں یا مشہور کھلاڑیوں کے نام نامزد کرتے ہیں اور بعض ہیں کہ ستاروں، سیاروں اور قیمتی پتھروں کے نام پر نام رکھ لیتے ہیں جیسے نیلم، صنوبر، زمرد، ہیرا، چاندی وغیرہ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچہ اگر کسی خاص دن پیدا ہو تو اس دن کی مناسبت سے نام رکھ دیا جیسے عید کے روز پیدا ہونے والے کا نام عیدی رکھ دیا شب برات کو پیدا ہونے والے کا نام شبراتی رکھ دیا۔ والدین کی ذمہ داری ہے کہ ایسے تمام ناموں سے پرہیز کریں۔ (جاری ہے)

اُم محمود

تحریکِ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ

۱۸۱۸ء......تا......۱۸۳۱ء

☆......جدوجہد کا آغاز

☆......حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا فتویٰ جہاد

☆......سید صاحبؒ کی تحریک جہاد

☆......سکھوں سے مقابلہ

☆......عارضی اسلامی حکومت

☆......معرکۂ بالاکوٹ اور حادثۂ شہادت

جدوجہد کی ضرورت کیوں؟

سوال: تحریکِ آزادی کی ابتداء کب ہوئی؟ اور اس جدوجہد کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: ۱۴۹۸ء میں واسکوڈی گاما کی قیادت میں پرتگال (یوروپ) کے ملاحوں نے پہلی مرتبہ ہندوستان کی سرزمین میں قدم رکھا اور ساحلی مقام کالی کٹ میں اپنی تجارتی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ پھر اسی بہانے پُرتگیزیوں نے جنوبی ہند کے ساحلی علاقوں پر قدم جمانے شروع کردیئے اور جو بھی ان کے توسیع

پسندانہ عزائم کے درمیان رکاوٹ بنا اسے انہوں نے نہایت بے دردی سے مشق ستم بنایا۔ بحر ہند میں قزاقی اور لوٹ مار کا وہ بازار گرم کیا کہ بحری سفر پُر خطر بن گیا۔ جس علاقہ میں انہیں اقتدار حاصل ہوا۔ وہاں انہوں نے لوگوں کو جبراً عیسائی بنالیا۔ پادریوں کے نام نہاد دارالقضاء جابجا قائم کئے جو اپنے مخالفوں کے لیے بدترین اور وحشت ناک سزائیں تجویز کرتے تھے۔ پرتگیزیوں کی دیکھا دیکھی یورپ کے دیگر ممالک بھی حرص وطمع سے مغلوب ہو کر دولت سمیٹنے کے لیے سونے کی چڑیا کہے جانے والے ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ انگلستان کے ۱۰۱ تاجروں نے تیس ہزار پونڈ کا سرمایہ جمع کر کے ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' کے نام سے ایک کمپنی بنائی اور ۱۶۰۱ء میں اس کے جہاز پہلی مرتبہ ہندوستان روانہ کئے گئے۔ انہوں نے اپنا بڑا مرکز بنگال کو بنایا یہیں سے ہندوستان میں انگریزوں کی آمد شروع ہوئی اور تجارت کی آڑ میں وہ اپنی فوجی طاقت بھی رفتہ رفتہ ہندوستان منتقل کرتے رہے اس دوران یہ لوگ شاہان مغلیہ کے دربار میں بھی جا پہنچے اور اپنے کو محض تاجر ظاہر کر کے بادشاہ سے پروانہ امن حاصل کیا اور رفتہ رفتہ اپنے پاؤں مضبوط کرتے رہے۔ لیکن سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی وفات یعنی ۱۷۰۷ء تک مغلیہ حکومت مضبوط ہونے کی وجہ سے انگریزوں کو باقاعدہ کوئی کامیابی نہ مل سکی۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد جب دہلی کا مرکز کمزور پڑ گیا اور صوبہ جات میں طوائف الملوکی کا دور شروع ہوا تو اب ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے بال و پر نکالنے شروع کر دیئے، جس کا پہلا افسوسناک سانحہ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے میدان میں رونما ہوا جب بنگال کے نواب سراج الدولہ کی فوجیں اپنوں کی درپردہ سازش کا شکار ہو کر ایسٹ

انڈیا کمپنی کی مٹھی بھر منظّم فوج کے مقابلہ میں شکست سے دوچار ہوگئیں۔ اوراس طرح بنگال میں کمپنی کی عملی حکومت کا راستہ صاف ہوگیا۔

اس دور میں کمپنی کے اربابِ حل وعقد نے بنگال کی ہنرمند آبادی پر جو مظالم ڈھائے ہیں۔ اور جس طرح انہیں لوٹا کھسوٹا گیا ہے وہ ہندوستان کی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔ پھر بتدریج کمپنی کی حکومت کا دائرہ بڑھتا رہا۔ اکثر امراء اورنواب اپنی آپسی چپقلش کی بنا پر ایسٹ انڈیا کمپنی سے مصالحت پر مجبور ہو گئے۔ اور آخر میں صرف ایک بہادر اورنڈر جرنیل سلطان ٹیپو شہید رہ گیا تھا۔ مگر وہ بھی جب ۱۷۹۹ء میں انگریز کے مقابلہ میں یہ کہتے ہوئے شہید ہوگیا کہ ''شیر کی زندگی کا ایک لمحہ گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے بہتر ہے۔'' تو انگریز فوج کے کمانڈر ''لارڈ ہارس نے سلطان شہید کی لاش دیکھ کر بے اختیار یہ کہا تھا کہ'' آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔'' سارے ہندوستان کو بالواسطہ یا بلاواسطہ زیر نگیں کرنے کے بعد اب انگریز کا نشانہ دہلی کا پایہ تخت تھا، جہاں مغلیہ حکومت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا۔ ۱۸۰۰ء کے اخیر میں لارڈ لیک کی قیادت میں انگریز فوجیں دہلی کی طرف بڑھنے لگیں۔ مغلیہ اقتدار کی محافظ مرہٹہ فوجیں انگریزوں کی طاقت کے سامنے نہ ٹھہر سکیں اور ۱۸۰۳ء میں انگریز فاتحانہ دہلی میں داخل ہوئے اور مجبور ومقہور بادشاہ ''شاہ عالم'' سے بہ جبر وقہر معاہدہ لکھوالیا کہ ''خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم کمپنی بہادر کا'' یہ اعلان اس بات کا اظہار تھا کہ اب ہندوستان سے اسلامی اقتدار رخصت ہو چکا ہے، عدل وانصاف اور امانت وخیانت کی باتیں خواب وخیال بن گئیں ہیں۔ انسانیت دم توڑ رہی ہے اوراس کی جگہ ظلم وستم، وحشت و

بربریت، استعماریت وفسطائیت کی مہیب گھٹا چھاتی جارہی ہے۔ انگریز کے زیرنگیں علاقوں کے مظالم کی بازگشت اب دور دور تک سنائی جانے لگی تھی۔ احساس ہر ایک کو تھا مگر امراء دولت اپنی بچی کھچی نوابی کو بچانے کے لیے اور عوام اپنی جان بخشی کے لیے انگریز اور اس کی حلیف طاقتوں کے خلاف زبان کھولنے کے روادار نہ تھے۔ مگر ایک بوریہ نشیں فقیر دہلی میں بیٹھ کر اپنی بے مثال چشمِ بصیرت سے مستقبل کا نقشہ کھلے بندوں دیکھ رہا تھا۔ اس کو یہ چشمِ بصیرت اپنے والد ماجد حجۃ الاسلام والمسلمین شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ورثہ میں ملی تھی جن کی اثر انگیز تربیت نے اس نور جگر کو واقعی ''الولد سر لابیہ'' کا مصداق بنادیا تھا، یہ سپوت کوئی اور نہیں، یہ فقیر کوئی غیر معروف نہیں بلکہ وہ ذات تھی جس کو آج دنیا مسند الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے نام نامی اسم گرامی سے یاد کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایسے نازک ماحول میں انتہائی جرأت وحمیت اور دینی غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دہلی پر عملاً کمپنی کی حکومت قائم ہو جانے کے بعد ایک تفصیلی فتویٰ جاری کر کے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا اعلان کیا۔ یہی فتویٰ ہندوستان کی جدوجہد آزادی کا نقطۂ آغاز ہے۔ جس نے دردمندان ملت کے دل میں یہ اُمنگ پیدا کی کہ اب مادرِ وطن میں اسلام اور دین کی حفاظت کے لیے سفید فام استعمار سے ٹکر لینا لازمی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

سوال: حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا فتویٰ کیا تھا؟

جواب: آپ کا اصلی فتویٰ فارسی زبان میں ہے جو آپ کے فتاویٰ میں ص ۱۷ پر شائع

ہو چکا ہے۔ جس کا اُردو ترجمہ ذیل میں پیش ہے:

”اس شہر میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں ہے اور عیسائی افسران کا آرڈر بلا روک ٹوک جاری ہے، اور احکام کفر جاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ملک داری، رعایا کے انتظامات، خراج، باج اور عشر (مالگذاری) اموال تجارت، ڈاکوؤں اور چوروں سے حفاظت کے انتظامات، نزاعات کے فیصلوں اور جرائم کی سزاؤں کے مقدمات میں کافر ہی بطور حاکم مقرر ہو گئے ہیں۔ اور یہاں اگرچہ انہوں نے بعض احکام اسلام مثلاً جمعہ، عیدین اذان اور گائے کے ذبیحہ سے کوئی (فی الحال) تعرض نہیں کیا لیکن ان چیزوں کی اصلِ اصول (یعنی مذہبی آزادی اور شعائر اسلامی کی حیثیت) ان کی نظر میں قطعاً بے حیثیت اور فضول ہے۔ اسی وجہ سے وہ مسجدوں کو بے تکلف مسمار کر دیتے ہیں۔ اور کوئی بھی مسلمان یا ذمی ان کی اجازت اور امان کے بغیر اس شہر میں داخل نہیں ہوسکتا۔“

فتویٰ کا کیا اثر ہوا؟

سوال: حضرت شاہ صاحب کے فتویٰ کے بعد اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کے لیے کیا طریقے اپنائے گئے اور ان کا عوام وخواص پر کیا اثر ہوا؟

جواب: حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے سب سے پہلا یہ کام کیا کہ ۱۸۰۸ء میں مہاراجہ جسونت راؤ ہلکر اور ان کے منہ بولے بھائی نواب امیر خاں نے جب انگریز کے خلاف متحدہ محاذ قائم کیا تو آپ نے اپنے خاص مرید اور معتقد حضرت سید احمد رائے بریلویؒ کو نواب امیر خاں کی فوج میں شامل ہونے کا حکم دے دیا۔ سید صاحب تقریباً ۷/ سال اس

فوج سے وابستہ رہے، اور جب آپ نے دیکھ لیا کہ نواب امیر علی خاں بھی انگریز سے صلح کا ارادہ رکھتا ہے تو ۱۸۱۶ء میں آپ اس کی فوج سے علیحدہ ہو کر دہلی تشریف لے آئے۔

ایک نئی اور باقاعدہ تحریک

سوال: سید صاحبؒ کی دہلی واپسی کے بعد کیا منصوبہ بنایا گیا؟

جواب: اب کام کی ترتیب یہ طے کی گئی کہ سید احمد رائے بریلویؒ کی قیادت میں اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور حضرت مولانا عبدالحیؒ جیسے جلیل القدر علماء کی مشاورت میں ایک جماعت تشکیل کی جائے جو ملک کے طول و عرض کا دورہ کر کے عوامی اصلاح کا کام انجام دے اور ان میں انقلاب کی روح بیدار کرے۔ عوام میں دینی اسپرٹ پیدا کیے بغیر جہاد کا تصور ہی دُشوار تھا۔ اس لیے ضرورت تھی کہ عوام کو شرک و بدعت کی گھنگھور اندھیریوں سے نکال کر عقائد صحیحہ سے آراستہ کیا جائے اور ان کی ایمانی قوت کو اتنا مضبوط کر دیا جائے کہ وہ دین کے لیے ہر مصیبت بآسانی برداشت کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

سید احمد رائے بریلویؒ کا انتخاب کیوں؟

سوال: اس جماعت کی سربراہی حضرت سید احمد شہیدؒ کے حوالے کیوں کی گئی؟ حالانکہ آپ عمر میں بھی اپنے خاص رفقاء سے چھوٹے تھے۔ جیسا کہ آپ کی سیرت میں لکھا ہے کہ جب آپ کو اس جماعت کا سربراہ بنایا گیا تو آپ کی عمر ۴۰ر سال تھی۔ اور حضرت مولانا عبدالحیؒ (داماد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ) کی عمر ۵۰ر سال اور حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی عمر ۴۸ سال تھی۔ تو ان حضرات پر سید صاحبؒ کو ترجیح دینے کی کیا وجہ تھی؟

جواب: حضرت سید احمد صاحب رائے بریلویؒ کم عمر ہونے کے باوجود کئی ایسی امتیازی خصوصیات کے حامل تھے جو آپ کے دیگر رفقاء میں اس درجہ کی نہ پائی جاتی تھیں مثلاً آپ کے بے مثال روحانی کمالات، جس کی بنا پر خود حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے اپنے اعزاء و اقارب کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ سید صاحبؒ کے دست مبارک پر باقاعدہ بیعت طریقت کریں اور اس روحانیت کا اثر بہت جلد لوگوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ نہایت مختصر مدت میں ہزار ہا ہزار عوام و خواص نے آپ کے دامن فیض سے وابستہ ہو کر اپنی آخرت سنوار لی اور راہ ہدایت پر گامزن ہو گئے دوسرے یہ کہ آپ سات سال نواب امیر خان کے لشکر میں رہ کر محاذ جنگ کا جو عملی تجربہ حاصل کر چکے تھے وہ دوسروں کو حاصل نہ تھا۔

جدوجہد کا آغاز

سوال: تحریک کا آغاز کس طریقہ پر ہوا؟

جواب: حضرت سید احمد شہیدؒ کی قیادت میں ۱۸۱۸ء میں پچاس افراد پر مشتمل دردمندانِ ملت کا قافلہ دہلی سے روانہ ہوتا ہے اس تحریک کے سرپرست اعلیٰ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے روانگی کے وقت اپنی سیاہ دستار اور سفید استعمال شدہ کرتا اپنے دست مبارک سے قائد حریت اور مصلح اُمت حضرت سید احمد شہیدؒ کو پہنایا اور رخت سفر مرحمت فرمائی۔

سوال: اس دورہ کا اصل مقصد کیا ظاہر کیا گیا؟

جواب: اس دورہ کا ظاہری مقصد صرف سماجی اور معاشرتی اصلاح قرار دیا گیا اور اس

کی بنیادی وجوہات دو تھیں۔ اوّل یہ کہ بغیر تدین اور معاشرتی اصلاح کے، جہاد کی تحریک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکتی۔ دوسرے یہ کہ انگریز کی بالادستی کے دور میں ابتداء ہی میں اس کے خلاف نعرۂ جہاد بلند کرنا سیاسی طور پر نامناسب تھا۔

سوال: اس دورہ میں آپ نے کن کن علاقوں کو اپنی تشریف آوری سے مشرف کیا؟

جواب: دہلی سے آپ غازی آباد، مرادنگر، میرٹھ، سردھنہ، بڑھانہ، پھلت، مظفرنگر، دیوبند، سہارنپور تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے دہلی ہوتے ہوئے گڑھ مکتیشور، مرادآباد، بریلی، شاہ جہانپور ہوتے ہوئے اپنے وطن اصلی رائے بریلی کی خاندانی خانقاہ تکیہ شاہ علم اللہ میں چند ماہ قیام فرمایا۔ پھر آپ الہٰ آباد، کانپور، بنارس، سلطان پور تشریف لے گئے اور بعد میں تقریباً تین ماہ لکھنؤ میں قیام فرمایا جو اس وقت مملکت اودھ کا دارالسلطنت تھا۔

سوال: دورہ کے اثرات کیا رہے؟

جواب: جہاں جہاں آپ تشریف لے گئے شرک و بدعت اور ضلالت و گمراہی کی گھٹائیں چھٹتی چلی گئیں۔ آپ کی پرتاثیر مجلسیں اور آپ کے مخلص اور جاں نثار رفقاء کے دلوں کی گہرائیوں میں اُتر جانے والے مواعظ ایسے اثر انداز ہوئے کہ ہزارہا ہزار دین سے بے بہرہ اور جاہلانہ رسوم میں مبتلا عوام و خواص سچے دل سے تائب ہوئے اور مسلم معاشرہ میں دینی اصلاح کی ایک ایسی عجیب و غریب لہر دوڑی جس کی مثال قریبی زمانہ میں نہیں ملتی۔

سوال: کیا اس دورہ میں جہاد کی ترغیب بھی ہوتی تھی؟

جواب: جی ہاں آپ موقع محل کی مناسبت سے جہاد کی ترغیب بھی دیتے تھے اور خود بھی اسلحہ لگاتے تاکہ دوسروں کو اس کی اہمیت معلوم ہو۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایک مرید کو ایک طمنچہ دیا اور فرمایا کہ جہاد فی سبیل اللہ کی نیت سے ہتھیار لگاؤ۔ پیٹ بھر کھاؤ اور اسلحہ کے استعمال کی مشق کرو، اس سے بہتر کوئی فقیری اور درویشی نہیں۔

سوال: اس دورہ میں آپ دہلی کب واپس آئے؟

جواب: دورہ کے درمیان آپ سہارنپور سے رائے بریلی جاتے ہوئے مئی یا جون ۱۸۱۹ء میں دہلی تشریف لائے تھے اور یہاں آپ نے اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے ملاقات کی اور یہ ان سے زندگی میں آپ کی آخری ملاقات تھی۔

سید صاحبؒ کا دوسرا دورہ

سوال: اس کے بعد اگلا اقدام کیا اُٹھایا گیا؟

جواب: ۱۸۲۱ء میں رائے بریلی سے سید صاحب نے اپنے دوسرے عظیم الشان اصلاحی دورہ کا آغاز فرمایا۔

سوال: اس دورہ کا مقصد کیا ظاہر کیا گیا؟

جواب: مقصد اصلی تو بہر حال جہاد تھا لیکن عنوان اس وقت یہ اختیار کیا گیا کہ کچھ علماء نے عرصہ دراز سے اس طرح کے فتوے صادر کر رکھے تھے کہ راستے کا امن و امان مفقود ہونے کی وجہ سے اب اہل ہند پر حج فرض نہیں رہا ہے۔ ان فتاویٰ کا نتیجہ یہ تھا کہ لوگوں نے سفرِ حج پر جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے سید صاحبؒ نے ضروری سمجھا کہ دورہ کے مقاصد میں

اصلاح کے ساتھ ساتھ فریضہ حج کی ادائیگی کا عنوان بھی سامنے لایا جائے تاکہ عوام وخواص میں اس فریضہ کے انجام دینے کا حوصلہ پیدا ہو۔

سوال: آپ کس راستہ سے حج کو تشریف لے گئے۔

جواب: رائے بریلی سے الٰہ آباد، مرزا پور، پٹنہ، مونگیر، بھاگلپور، مرشد آباد ہوتے ہوئے آپ کلکتہ رونق افروز ہوئے اور وہاں دو ماہ قیام فرمایا۔ صرف کلکتہ کے زمانۂ قیام میں تقریباً ساٹھ ہزار افراد نے آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔ دو مہینہ تک روزانہ ایک ہزار آدمی کے قریب بیعت سے مشرف ہوتے تھے۔

سفر حج

سوال: آپ کے ساتھ سفر حج پر جانے والے حضرات کی تعداد کیا تھی؟

جواب: رائے بریلی سے جب آپ چلے تھے تو چار سو افراد آپ کے ہمارہ تھے لیکن کلکتہ پہنچتے پہنچتے یہ تعداد آٹھ سو تک پہنچ گئی۔ چنانچہ سفر کے لیے پانی کے گیارہ جہاز کرائے پر لئے گئے جن پر یہ مقدس قافلہ روانہ ہوا۔

سوال: حجاز مقدس میں آپ کے قافلے کا کتنے دن تک قیام رہا؟

جواب: ساڑھے تیرہ مہینے آپ حجاز مقدس میں مقیم رہے، جس میں زیادہ وقت مکہ معظّمہ میں گذارا۔

سوال: اس پورے سفر میں یعنی رائے بریلی سے چل کر رائے بریلی واپس آنے تک کل کتنی مدت صرف ہوئی؟

جواب: اس پورے سفر کی مدت دو سال دس ماہ رہی۔

سوال: آپ واپس کب ہوئے؟

جواب: ۲۹/اپریل ۱۸۲۴ء کو آپ اپنے وطن عزیز رائے بریلی واپس ہوئے۔

کیا سید احمد شہیدؒ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکار بن گئے تھے؟

سوال: یہ پروپیگنڈہ بہت شدت سے کیا جاتا ہے کہ سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء سفر حج کے بعد محمد بن عبدالوہاب کے نظریات سے متفق بلکہ ان کے مبلغ بن گئے تھے۔ اور وہ ہندوستان میں بھی عام مسلمانوں کی رائے کے برخلاف انہی نظریات کی تبلیغ کرنا چاہتے تھے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: یہ سراسر جھوٹا الزام ہے۔ اور انگریز نے سید صاحبؒ کی تحریک کو بے اثر کرنے کے لیے ایک باقاعدہ منصوبہ کے تحت اس الزام کی اتنی تشہیر کی کہ آج بھی بہت سے ذہنوں میں یہی بات راسخ ہے۔ حالانکہ تاریخی حوالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ محمد بن عبدالوہاب (جو اپنے دور کے ایک سخت گیر مصلح تھے) سے یا ان کی تحریک سے سید صاحبؒ اور ان کے رفقاء اور جماعت کا کبھی بھی کسی طرح کا کوئی رابطہ نہیں رہا محمد بن عبدالوہاب اور ان کے حامی نجدی امراء کی حکومت ۱۷۴۶ء سے ۱۸۱۸ء تک رہی اس کے بعد ترکی اور مصری فوجوں نے ان کی حکومت کا بالکل خاتمہ کر دیا تھا۔ حتی کہ نجد میں ان کے صدر مقام ورعیہ کو بھی فتح کر لیا۔ اور ۱۸۱۸ء کے بعد ان کا کوئی اثر حجاز مقدس اور حرمین شریفین میں باقی نہیں رہا، بلکہ ان کی بیجا سختیوں کی وجہ سے علماء اور عوام نجدی حکومت سے سخت نفرت رکھتے تھے۔ اسی زمانہ میں (۱۸۲۲ء میں) حضرت سید احمد شہیدؒ حجاز مقدس تشریف لے جاتے ہیں تو اس وقت ان کا

''وہابی تحریک'' سے متاثر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خود محمد بن عبدالوہابؒ بھی ۱۷۹۲ء میں وفات پا چکے تھے۔ ان سے سید صاحب کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ اس لیے سید صاحب یا ان کے رفقاء یا بعد میں پیدا ہونے والے علماء و مجاہدین کو وہابی کہنا انگریز کے شاطرانہ منصوبہ کا ایک حصہ ہے۔ آج بھی بہت سے مسائل میں علماء نجد (وہابیوں) اور علماء حق (علماء دیوبند وغیرہ) کے درمیان اختلافات موجود ہیں۔

سید صاحبؒ کی تحریک کا سرپرست کون؟

سوال: سید صاحبؒ کی تحریک کا سرپرست کون تھا؟

جواب: اپنے استاد و مربی حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے حکم و ایماء پر حضرت سید احمد شہیدؒ نے اس اصلاحی اور سیاسی جدوجہد کا آغاز فرمایا تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ہی اس تحریک کے سرپرست اعلیٰ تھے۔

سوال: کیا سفر حج سے واپسی پر سید صاحبؒ نے حضرت شاہ عبدالعزیز سے ملاقات فرمائی؟

جواب: سید صاحبؒ براہ کلکتہ ۲۹/اپریل ۱۸۲۴ء کو رائے بریلی پہنچے اور اس کے کل سات دن بعد ۶/مئی ۱۸۲۴ء کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں دہلی میں وصال فرما گئے۔ اس لیے سید صاحبؒ کو آپ سے ملاقات کا موقع نہ مل سکا۔

سوال: حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے بعد ان کا جانشین کون منتخب ہوا؟

جواب: حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی جانشینی کی سعادت حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کے حصہ میں آئی۔ (جاری ہے)

اُختِ سعد

خواتین اور کسبِ معاش
شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں

خواتین کے کسب معاش کے لیے گھر سے باہر نکل کر کام کرنے کا مسئلہ آج کل گفتگو اور بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔ کچھ لوگ عورت کے گھر سے باہر کام کرنے یا ملازمت کرنے کے حامی ہیں تو کچھ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ اتنی اہمیت

اور دلچسپی اختیار کر چکا ہے کہ اس موضوع پر بین الاقوامی کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں۔ جن میں اس بات پر بحث کی جارہی ہے کہ کس طرح خواتین کے لیے میدان ہائے کار کو وسعت دی جائے اور حالات کو ان کے لیے بہتر بنایا جائے۔ ۱۹۸۰ء میں اقوام متحدہ کی بین الاقوامی کانفرنس کوپن ہیگن (Copenhagen) میں منعقد ہوئی تھی۔ اس کا موضوع تھا ''ترقی اور مساوات''۔

اس کانفرنس کی رپورٹ میں یہ بات رکھی گئی تھی کہ:

''خواتین کے لیے مساویانہ طور پر بہتر کام کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ عورت اور مرد گھر کے کاموں، بچوں کی نگہداشت اور نوکری کرنے میں برابر کے ذمے دار ہیں، لہٰذا ملک کی ترقی اور فلاح و بہبود میں عورتوں کا حصہ لینا اور ان کے لیے ایسے حالات فراہم کرنا بہت ضروری ہے۔''

ہم اپنی گفتگو کو تین مباحث میں تقسیم کریں گے:

اول: اسلام کی نظر میں عورت کا حقیقی دائرہ کار

دوم: عورت کا گھر سے باہر کام کرنے کا حق

سوم: اسلام میں عورت کے گھر سے باہر کام کرنے کے ضابطے

عورت کا گھر سے باہر نکل کر کام کرنا کیسا ہے؟ اس سلسلے میں گفتگو سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آخر وہ کون سے وجوہ یا عوامل تھے، جنہوں نے ابتدا میں اسے گھر سے باہر نکلنے پر مجبور کیا۔ کیوں کہ جب عورت کی آزادی یا بلا حدود و قیود باہر نکلنے سے متعلق بات

ہوتی ہے تو مثال کے طور پر مغربی عورت کو پیش کیا جاتا ہے۔ اٹھارہویں صدی میں انقلابِ فرانس کے نتیجے میں عوام کو معاشی بدحالی کا سامنا کرنا پڑا، اسی کے نتیجے میں عورت گھر سے باہر نکلی۔ جاگیرداروں کے خوف سے ہراساں ہو کر لوگ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے اور ان حالات میں خواتین اور بچوں کو بھی ایک ایک لقمے کے لیے اپنے گھر بار چھوڑ کر شہروں کی مشقت آمیز زندگی کی طرف دھکیل دیا۔ سنجیدگی سے ان حالات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مغربی عورت اپنی رضا و خوشی سے گھر سے باہر نہیں نکلتی تھی۔ بلکہ بحالتِ مجبوری اسے ایسا کرنا پڑا تھا۔ ایک مغربی خاتون کا قول ہے:

''مغرب میں عورت گھر سے باہر کام کرنے پر مجبور ہے اور ایسا اسے اپنے خاندانی بقا کے لیے کرنا پڑتا ہے۔''

مغرب میں عورت کے گھر سے باہر نکلنے اور کام کرنے کے اسباب کا خلاصہ اس طرح کیا جا سکتا ہے:

(۱) مغرب میں جب بچی اٹھارہ سال کی ہو جاتی ہے تو اس کے نان نفقے کی ذمے داری باپ پر نہیں رہتی ہے بلکہ بیٹی اپنا خرچ خود اٹھانے پر مجبور ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بسا اوقات جس کمرے میں وہ رہتی ہے اس کا کرایہ بھی باپ کو دیتی ہے۔

(۲) مغربی معاشرہ اخلاقیات اور دین و مذاہب سے کوسوں دور ہے، لہٰذا وہاں مرد اہلِ خانہ کی پرورش، تربیت اور دیکھ بھال جیسی ذمے داریوں سے آزاد ہے۔ اپنی خود غرضی کا غلام اور بخیل ہے، لہٰذا ان ذمے داریوں سے دامن بچا کر نکلنے میں ہی اپنا فائدہ سمجھتا ہے۔

چنانچہ مغربی عورت نے اپنی روزی روٹی کمانے کے لیے گھر کی چہار دیواری کو پھلانگا، وہ ایسا کرنے پر مجبور تھی کیوں کہ اس کا کوئی کفیل یا ذمے دار نہ تھا لیکن کاش مرد کے برابر کام کرنے پر اسے مرد کے برابر معاوضہ بھی ملتا۔ اپنی بساط اور طاقت سے بڑھ کر کام کرنے کے باوجود اس کا معاوضہ مرد سے کافی کم ہوتا ہے۔

آپ کو جان کر حیرت ہوگی کہ عورت سے متعلق عالمی کانفرنسوں کی رپورٹس عورت کے گھر کے اندر کام کرنے کو کام ہی تسلیم نہیں کرتی ہیں، بلکہ اس کو عورتوں کی زبوں حالی کا سبب اور علمی استعداد کی کمی تصور کرتی ہیں۔

اول: اسلام میں عورت کا اصل دائرہ کار

اسلام کی نظر میں عورت کو اصل کام ''گھر کی مملکت'' کو بحسن وخوبی چلانا اور اس کا نظم و انتظام کرنا ہے۔ قرآن کی آیت:

''وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى''. (۱)

اور اس کے علاوہ دوسری آیات اسی حقیقت پر دال ہیں۔ امام قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: ''اس آیت سے مراد یہی ہے کہ خواتین گھر ہی میں رہیں، اگرچہ اس آیت کا خطاب صرف اُمہات المؤمنین سے ہے، لیکن اُمت کی تمام خواتین معناً اس میں شامل ہیں۔ اگرچہ کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے جو تمام خواتین کو خاص کرتی ہو، لیکن شریعت عورتوں کو گھر میں رہنے کی تلقین کرتی ہے اور بلا ضرورت باہر نکلنے سے روکتی ہے''۔ (۲)

(۲) اسلام میں عورت کے نان نفقے کی ذمے داری شوہر پر ہے، اسی طرح وہ عورت

جوطلاقِ رجعی کی عدت گزار رہی ہو اس کا نان نفقہ بھی شوہر پر واجب ہے:

"لينفق ذو سعة من سعته، ومن قُدِر عليه رزقه فلينفق مما آتاه اللّٰه". (۳)

"اور خوش حال آدمی خوش حالی کے مطابق نفقہ اور جن کو رزق کم دیا گیا ہو وہ اسی مال میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے"

عورت کا یہ نفقہ مرد پر اسی وقت واجب ہے جب وہ اپنی اصل ذمے داری کو بہ خوبی انجام دے رہی ہو اور کسب معاش کے لیے گھر سے باہر نہ نکلے۔ کیوں کہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق کسبِ معاش کے لیے گھر سے باہر تگ ودو کرنا مرد کی ذمے داری ہے۔

"ولما ورد ماء مدين وجد عليه اُمة من الناس يسقون ووجد من دونهم امرأتين تذودان، قال ما خطبكما قالتا لا نسقى حتى يصدر الرعاء وأبونا شيخ كبير". (۴)

اس آیتِ کریمہ میں ان دونوں خواتین کے گھر سے باہر کسی خارجی کام کے لیے نکلنے کا ذکر کیا گیا ہے، جس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ ان کا اصل کام نہیں ہے۔ ابوالسعود اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: "اللہ تعالیٰ کے قول "وأبونا شيخ كبير" میں انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے عذر کیا ہے تاکہ وہ ان کے اس کام میں مدد کریں۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم پردہ نشین خواتین کمزور ہیں، مردوں کی بھیڑ میں اس مشقت بھرے کام کو انجام نہیں دے سکتیں، ہمارے والد صاحب کافی ضعیف اور بزرگ ہو چکے ہیں۔"

(۴) واذ قلنا للملئكة اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابليس أبی. فقلنا یآدم انّ هذا عدوّ لک ولزوجک فلا یخرجنّکما من الجنّة فتشقی أنّ لک ألاّ تجوع فیها ولا تعری. وأنک لا تظمؤا فیها ولا تضحی. (۵)

ترجمہ: ’’اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرتو ابلیس کے علاوہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا اس نے انکار کیا۔ ہم نے آدم سے کہا یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں جنت سے نکال دے، ایسا ہوا تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ جنت میں تمہیں بھوک لگتی ہے اور نہ برہنہ ہو، نہ پیاس لگتی ہے اور نہ ہی کوئی مشقت پیش آتی ہے۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں اللہ سبحان تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ابلیس کی بات سننے اور اس پر عمل کرنے کے سلسلے میں تنبیہ فرمائی ہے اور ان کو باخبر کیا ہے کہ شیطان انہیں جنت سے نکلوانے کے درپے ہے۔

اگر اس نے تم کو جنت سے نکلوا دیا تو تم سخت مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ نص قرآنی میں ’’تشقی‘‘ کے مخاطب صرف آدم علیہ السلام ہیں۔ حالانکہ اس سے پہلے تنبیہ کے صیغے کا استعمال ہوا تھا اور حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ دونوں ہی اس کے مخاطب تھے ’’عدوّ لک ولزوجک‘‘ اور ’’فلا یخرجنکما‘‘ تنبیہ کے بعد اس مفرد صیغے کے استعمال کی مفسرین نے یہی وجہ بیان کی ہے کہ کسبِ معاش اور تدبیرِ معاش کے راستے میں دراصل حضرت آدمؑ ہی کو صعوبتیں برداشت کرنی ہوں گی۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے ''تشقی''، یعنی تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔ کیوں کہ یہ بات واضح ہے کہ اس کے مخاطب آدمؑ ہی ہیں۔ جنت سے دونوں نکلیں گے، لیکن کسب معاش کی مشقتیں آدم علیہ السلام کے حصے میں ہی آئیں گی اور یہ مشقت دراصل جسمانی مشقت ہوگی۔

اس آیت کے بعد ارشاد ہوا''انّ لک ألا تجوع فیھا ولا تعری وانک لا تظمؤ فیھا ولا تضحی.''

یعنی جنت میں انہیں کھانا، پانی، کپڑے، اور گھر جیسی تمام سہولتیں میسر ہیں لیکن انہوں نے ابلیس کا کہا مان لیا تو جنت سے نکلیں گے ہی، مشقتیں بھی ان کا مقدر ہو جائیں گی اور کھانا، پانی، کپڑوں اور سر چھپانے کے لیے ٹھکانے کا نظم بھی انہیں خود ہی کرنا ہوگا۔ تشقٰی کے صیغے میں حضرت آدم علیہ السلام کو مخاطب کرنے سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ بیوی کا نفقہ اور اس کے لیے تگ و دو کرنا شوہر کی ذمے داری ہے اور اسی دن سے تمام شوہروں پر بیویوں کا نفقہ واجب ہے۔ اس سے یہ بات بھی پتہ چلی کہ نفقے میں کھانا، پینا، لباس اور رہنے کا ٹھکانہ شامل ہے۔ ان چاروں کے علاوہ وہ اپنی طرف سے جو زائد کرے اس پر اس کے لیے اجر ہے۔(٦)

(۵) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ألا کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیته فالامام الذی علی الناس راع، وھو مسؤل عن رعیته، والرجل راع علی أھل بیته، وھو مسؤل عن

رعيتـه، والـمـرأة راعية على الرجل راع على مال سيده، وهو مسؤل عنه. ألا فكلكم راع وكلكم مسؤل عن رعيته.

مندرجہ بالا حدیث اس بات پر نص ہے کہ عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی نگراں ہے اور گھر کے نظم وانصرام کو اچھے طریقے سے چلانے کی ذمے دار ہے۔

(۶) صحیح بخاری میں کتاب النفقات "باب حفظ المرأة زوجها فی ذات یده والنفقة" اور کتاب النکاح "باب الی من ینکح وایّ النساء خیر" اور صحیح مسلم میں کتاب فضائل الصحابة اور باب من فضائل نساء قریش" میں حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"خیر النساء رکبن الابل صالح نساء قریش أحناه علی ولده و صغره وأرعاه علی زوج فی ذات یده"

"اونٹوں پر سوار ہونے والی تمام خواتین میں سب سے اچھی قریش کی خواتین ہیں۔ اپنے بچوں پر نہایت مہربان اور اپنے شوہروں کے مال کی اچھی نگراں ہیں"۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے: "اس حدیث میں شفقت، محبت، حسن تربیت، شوہر کے مال کی حفاظت اور گھر کو بہتر طریقے سے چلانے کی کوشش سب شامل ہیں۔اسی سے شوہر کا اپنی بیوی پر خرچ کرنے کا حکم بھی مستنبط ہوتا ہے"۔

دوم: عورت کا کسب معاش کے لیے گھر سے باہر نکلنا

اسلام کی نظر میں عورت کا گھر میں رہنا مستحسن ہے۔اسلامی تعلیمات کے مطالعے

سے یہ بات بہ خوبی واضح ہو جاتی ہے، لیکن اسلام عورت کی ملازمت یا کسب معاش کا مخالف بھی نہیں ہے۔ اسلام نے عورت کے گھر سے باہر نکلنے، ملازمت کرنے یا کسب معاش کے دوسرے طریقے اختیار کرنے کے لیے ضابطے اور اُصول مقرر کیے ہیں۔ سیرت نبوی ﷺ سے ہمیں متعدد مثالیں ایسی ملتی ہیں جو ہمارے اس قول کی تصدیق اور تصویب کرتی ہیں۔

۱. عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال طلقت خالتی فأرادت أن یجد نخلها فزجرها رجل أن تخرج، فأتت النبی ﷺ، فقال: فلن فجدی نخلک، فانک عسی أن تصدقی أو تفعلی معروفا. (۷)

حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ ان کی خالہ مطلقہ ہو گئیں اور دورانِ عدت اپنے کھجور کو توڑنے کے لیے نکلیں۔ ایک صحابیؓ نے انہیں اس سے روکا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئیں اور آپ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے انہیں گھر سے باہر نکل کر کھجور توڑنے کی یہ کہتے ہوئے اجازت دی: ''نکلو اور اپنے کھجور توڑو، اُمید ہے کہ تم اس میں سے صدقہ کرو یا کوئی خیر کا کام کرو۔''

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی مطلقہ بائنہ کو کھجور کاٹنے کے لیے نکلنے کی اجازت دینے کا پتہ چلتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی از خود سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت جابرؓ کی خالہ عدت سے پہلے بغیر کسی روک ٹوک کے گھر سے باہر نکلتی ہوں گی۔ دورانِ عدت ایک صحابی نے ان کو نکلنے پر ٹوکا اور جب مسئلہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ اجازت دی بلکہ صدقے اور فعل معروف کی توقع بھی ظاہر کی۔

امام نوویؒ نے مذکورہ بالا حدیث سے پکے ہوئے کھجور کے صدقے کا مستحسن ہونا، ہدیہ، صاحب تمر کو تذکیر بالمعروف جیسے دوسرے احکام بھی مستنبط کیے ہیں۔عورت بھی مرد کی طرح کاشت کاری کی دیکھ بھال اور اس سے متعلق دوسری ذمے داریاں انجام دے سکتی ہے۔ یہ حدیث اس کی واضح دلیل ہے۔

”عن سهل بن سعد قال: جاء ت امرأة ببردة، قال أتدرون ماالبردة، فقيل له: نعم هي الشمله منسوخة في حاشيتها، قالت: يا رسول الله ﷺ انی نسجت هذه بيدی اكسوكها، فأخذها النبی ﷺ محتاجا اليها، فخرج الينا، وانها ازاره، فقال رجل من القوم: يا رسول الله اكسفيها، فقال: نعم، فجلس النبی ﷺ فی المجلس، ثم رجع، فطواها، ثم أرسل بها اليه، فقال القوم: ماأحسنت اليها اياه، لقد علمت انه لا يرد سائلا: فقال الرجل والله ماسألته الا لتكون كفنی يوم أموت، قال سهل: فكانت كفنه. (۸)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ ایک خاتون ایک چادر لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ تم جانتے ہو یہ کیسی چادر ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ایسی چادر ہے جس کے کنارے پر کڑھائی کی گئی ہے۔ ان خاتون نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے اس پر اپنے ہاتھوں سے کڑھائی کی تاکہ میں خود اسے آپ کو پہناؤں۔آپ ﷺ نے اس چادر کو ایسے لیا گویا کہ آپ ﷺ کو اس کی

سخت ضرورت تھی اور جب آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ نے اسے تہبند کی طرح پہن رکھا تھا۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ چادر مجھے پہنا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے، پھر مجلس میں کچھ دیر بیٹھنے کے بعد آپ واپس تشریف لائے، اس چادر کو تہہ کیا اور اس شخص کو بھجوا دی۔ لوگوں نے کہا تم نے اچھا نہیں کیا حضور کی چادر مانگ لی۔ آپ ﷺ تو کسی سائل کو منع نہیں فرماتے ہیں۔ اس شخص نے کہا اللہ کی قسم میں نے صرف اس لیے مانگی تا کہ یہ میرا کفن ہو۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں وہی چادر ان کا کفن تھا۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صحابیہ کپڑا بننے کا کام کرتی تھیں، امام بخاری نے اسی مناسبت سے اس باب کا نام بھی۔ "باب ذکر النساج"، رکھا۔

ابن عابدین لکھتے ہیں: "باپ کو چاہیے کہ اپنی بیٹی کو کسی ایسی خاتون کے پاس بھیجے جو اسے سلائی، کڑھائی وغیرہ جیسے کام سکھا دے، تا کہ وقتِ ضرورت وہ دستکاری کے ذریعے کسب معاش کر سکے"

۳۔ صحیح بخاری میں **کتاب الجهاد "باب مداواة النساء الجرحى في الغزو"** اور **کتاب الطب، "هل يداوي الرجل المرأة أو المرأة الرجل"** کے ذیل میں ربیع بنت معوذ سے مروی ایک حدیث نقل کی ہے، وہ فرماتی ہیں:

كنا مع النبي ﷺ نسقي، ونداوي الجرحى، ونرد القتلى الى المدينة. (۹)

ہم نبی ﷺ کے ساتھ (غزوۂ احد) میں شریک تھیں، ہم زخمیوں کو پانی پلاتیں، ان کی

مرہم پٹی کرتیں اور شہیدوں کو منتقل کرتی تھیں۔

روایات اور احادیث نبوی اس بات پر شاہد ہیں کہ عہد نبوی ﷺ میں خواتین روح جہاد سے سرشار تھیں اور روز اول ہی سے خدمتِ اسلام، اعلاء کلمۃ اللہ اور حق کی سربلندی کے لیے مردوں کے شانہ بشانہ سرگرم عمل تھیں۔ اگرچہ جہاد خواتین پر فرض نہ تھا، لیکن زخمیوں کی دیکھ بھال، علاج، نقل وحمل، سامان رسد کی فراہمی اور دوسری خدمات خواتین انجام دیتی تھیں۔

ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غزوۂ احد میں ایک دوسری صحابیہ کے ساتھ اپنے پائنچے چڑھائے ہوئے اپنی پیٹھ پر مشکیزے لادے ہوئے آتی تھیں اور سپاہیوں اور زخمیوں کو پانی پلایا کرتیں تھیں، جب مشکیزے خالی ہو جاتے تھے تو ان کو پھر بھر کر لاتی تھیں۔(۱۰)

حضرت رفیدہ انصاریہؓ ایک ماہر طبیبہ اور جراحہ تھیں، ان کی مہارتِ فن کا ثبوت اس حدیث سے ملتا ہے جس کو حافظ ابن حجر نے الاصابۃ میں نقل کیا ہے:

"رفیدة انصاریة ذکرها ابن اسحاق فی قصة سعد بن معاذ لما أصابه بالخندق، فقال رسول اللہ ﷺ: اجعلوا فی خیمة رفیدة التی فی المسجد حتی أعود من قریب، وكانت امرأة تداوی الجرحی، وتحسب بنفسها علی خدمة من كان به صیغة من المسلمین. (۱۱)

جب غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت سعد بن معاذؓ شدید زخمی ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ

نے ان کو حضرت رفیدہؓ کے خیمے میں رکھنے کا حکم دیا تا کہ قریب سے ان کی عیادت کر سکیں۔ وہ زخمیوں کا علاج کرتی تھیں اور مسلمانوں کی خدمت کو اپنے لیے باعثِ اجر و ثواب سمجھتی تھیں۔(۱۲)

مذکورہ بالا احادیث خواتین کے لیے طب و جراحت جیسے پیشوں کے اختیار کرنے کو جواز ثابت کرتی ہیں۔(۱۳)

(۱) مبحث دوم: اُم المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش فنِ دباغت جانتی تھیں اور اس سے جو آمدنی ہوتی وہ اللہ کے راستے میں خرچ کرتی تھیں۔(۱۴)

(۲) اسی طرح آپ کپڑوں کو رنگنے کا کام بھی جانتی تھیں جیسا کہ ابو داؤد کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے: بنو اسد کی ایک خاتون کا بیان ہے کہ میں ایک دن زوجہ نبی حضرت زینب کے پاس تھیں اور ہم ان کے کپڑوں کو سرخ رنگ سے رنگ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے لیکن جب آپ نے سرخ رنگ دیکھا تو پلٹ گئے۔ اُم المومنین سمجھ گئیں کہ آپ کو یہ رنگ پسند نہیں آیا، لہٰذا انہوں نے تمام کپڑے دھوڈالے اور رنگ مٹا دیا "**ونحن نصبغ ثياباً لها فبيننا نحن كذلك**...... حدیث کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ اُم المؤمنین بھی رنگ ریزی کے کام میں شریک تھیں۔

(۳) اسی طرح ایک صحابیہ حضرت خولاء رضی اللہ عنہا عطریات کی تجارت کیا کرتی تھیں۔ ایک دن وہ رسول اللہ ﷺ کے گھر تشریف لائیں اس وقت رسول اللہ ﷺ گھر میں موجود نہیں تھے۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو فرمایا: کیا خولا ہمارے گھر آئی تھی؟

حضرت عائشہؓ نے جواب دیا ہاں، اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف عطر بیچا کرتی بلکہ وہ اپنے اس پیشے سے معروف بھی ہیں۔ اسی لیے ان کے نام کے ساتھ عطّارہ کا لفظ بھی جڑ گیا جو عطر فروش خاتون کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ (۱۵)

(۴) حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک خاتون ایک جلیل القدر صحابیہ اسما بنت مخربہ کے پاس عطر بیچنے کے لیے آئیں اور ان دونوں میں کسی بات کو لے کر نزاع کی صورت پیدا ہوگئی اور پھر نہ انہوں نے اس سے عطر خرید کیا اور نہ اس نے عطر بیچا۔ اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی خواتین تجارت کیا کرتیں تھیں۔

(۵) اسی طرح بہت سی خواتین جنگوں میں نرس، ساقیہ اور طباخہ (باورچی) کی حیثیت سے شریک ہوتی تھیں۔ بخاری شریف میں **کتاب الجهاد باب مداوة النساء الجرحى فى الغزو** کے حضرت ربیع بنت معوذ سے روایت ہے کہ ہم (جنگ اور غزوات میں) اللہ کے نبی کے ساتھ ہوتیں تھیں۔ پانی پلاتیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور شہداء کو منتقل کیا کرتی تھیں۔

"کنامع النبی ﷺ نسقی، ونداوی جرح ونرد القتلی. (۱۶)

اسی طرح حدیث نمبر ۲۸۸۳ میں **ونخدمهم** یعنی اور "ہم ان کی خدمت بھی کیا کرتی تھیں" کہ الفاظ زیادہ ہیں۔ اس حدیث کو امام بخاری کتاب الطب میں **باب هل يداوى الرجل المرأة والمرأة الرجل** کے تحت بھی ذکر کیا ہے۔

(۶) اسی طرح حضرت امیہ غفاریہ رضی اللہ عنہا بھی رسول اللہ کی اجازت سے غزوۂ

خیبر میں ایک معالجہ کی حیثیت سے شریک ہوئی تھیں۔(۱۷)

(۷)اسی طرح حافظ ابن اسیر نے اسد الغابۃ میں حضرت ام زھاد اشجعیہؓ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ وہ زخمیوں کی مرہم پٹی اور پانی پلانے کا کام کرتی تھیں۔(۱۸)

(۸)اسی طرح حضرت لیلیٰ غفاریہ کے بارے میں بھی ذکر کیا ہے۔(۱۹)

(۹)حافظ ابن حجر نے حمنہ بنت جحش رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن اور ہمشیرہ نسبتی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بھی غزوات میں زخمیوں کی دیکھ بھال اور پانی پلانے کا کام کیا کرتی تھیں۔(۲۰)

(۱۰)اسی طرح حافظ ابن حجر نے اصابہ میں اور حافظ ابن عبد البر نے استیعاب میں اُم عطیہ بنت حارث کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مجاہدین کے لیے کھانا پکاتیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور اگر لشکر میں کوئی بیمار ہوتا تو اس کی تیمارداری بھی کرتی تھیں۔(۲۱)

(۱۱)اسی طرح بعض صحابیات نے جنگ میں بالکل فوج کی حیثیت سے شرکت کی تھی۔ان صحابیات میں حضرت ہندہؓ (زوجہ ابوسفیان) انہوں نے جنگ یرموک میں حصہ لیا تھا۔

اسی طرح آپ کے ساتھ اُم ابان، اُم حکیم، خولہ بنت ازور بھی شریک تھیں۔اسی طرح حضرت خنسا بنت عمرو نے بھی اپنے چاروں بچوں سمیت جنگ قادسیہ میں شرکت کی تھی۔

اسی طرح حضرت اُم عمار غزوۂ احد میں زخمیوں کو پانی پلانے اور مرہم پٹی کرنے کا کام کرتی رہیں، لیکن جب دیکھا کہ مسلمان مغلوب ہو رہے ہیں تو انہوں نے قتال میں حصہ لیا

اور تاریخ میں خاتون احد کے نام سے شہرت پائی۔(۲۲)

(۱۲) اسی طرح حضرت ام سلیمؓ سے رسول اللہ ﷺ نے جب غزوہ خیبر میں ساتھ آنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس زخمیوں کے علاج کا سامان ہے اور ہم مجاہدین کو تیر اٹھا کر دیں گے۔(۲۳)

(۱۳) اسی طرح حضرت شفاء بنت عبداللہؓ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ حضرت حفصہ اُم المؤمنین کو لکھنا سکھا دیں۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور حضرت حفصہ کو ان کے گھر جا کر ٹیوشن دیتی رہیں۔(۲۴)

(۱۴) اسی طرح ایک صحابیہ حضرت شفاء بنت عبداللہ کو حضرت عمرؓ نے بازار کا اہتمام سپرد کیا تھا۔(۲۵)

سوم: اسلام میں عورت کے کسبِ معاش یا ملازمت کے ضابطے

شریعت اسلامی خواتین کے لیے کسبِ معاش کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہے۔ عام حالات میں خواتین پر اپنی اولاد کے نان نفقے کی ذمے داری نہیں ہے، لیکن اگر شوہر تنگ دست ہے یا کمائی کرنے کے قابل نہیں ہے اور عورت خوش حال ہے تو اس پر اپنے اور اپنے گھر کا خرچ اٹھانا ضروری ہو جائے گا۔ لہٰذا شریعتِ اسلامی نے خواتین کے کسبِ معاش کے لیے نہایت واضح اور دور رس اُصول مقرر کر دیے ہیں جو ہر صورت میں عورت کی سلامتی کے ضامن ہے۔ اس کے عزت و احترام میں اضافہ کرتے ہیں اور معاشرے کے لیے بھی خیر و فلاح اور برکتوں کا پیش خیمہ ہیں۔

پہلا اُصول: ولی کی اجازت

عورت کسبِ معاش کے لیے اسی وقت گھر سے باہر نکلے جب اس کے ولی نے (چاہے وہ شوہر ہو یا کوئی اور) اسے اس کی اجازت دے دی ہو۔ ولی کی اجازت کے بغیر اس کا کسبِ معاش کے لیے گھر سے باہر نکلنا، صحیح نہ ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"الرجال قوامون على النساء بما فضل اللّٰه بعضهم على بعض وبما أنفقوا من أموالهم". (۲۶)

"مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بناء پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بناء پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔"

لیکن شاید ضرورت کے باوجود اگر ظلماً مرد عورت کو کام سے روکتا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔

دوسرا اُصول:

کسبِ معاش کی خاطر عورت بلاضرورت شادی سے نہ رکے، کیوں کہ اسلام نے نکاح پر ابھارا ہے اور بلاضرورت اس میں تاخیر کرنے سے منع کیا ہے۔

تیسرا اُصول:

اُس ملازمت یا کام کی وجہ سے اس کی ازدواجی زندگی یا خانگی زندگی متأثر نہ ہو، کیوں کہ عورت دراصل اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی نگراں ہے۔ جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔

”والمرأة راعية على اهل بيت زوجها وولده، وهی مسؤلة عنهم“

چوتھا اُصول:

عورت کا کام کرنا شرعی حدود میں ہو، یعنی وہ کوئی ایسا کام کرے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہو، مثلاً تجارت، خرید وفروخت، تعلیم وتدریس، طباعت، دعوت الی اللہ وغیرہ۔ رہے وہ کام جو غیر شرعی ہیں مثلاً شراب خانوں میں کام کرنا، رقص، موسیقی کے اڈوں پر جانا، فلموں یا ڈراموں میں حصہ لینا اور جسم فروشی وغیرہ، یہ سب حرام ہیں۔

پانچواں اُصول:

عورت جس کام یا پیشے کو بھی اختیار کرے وہ اس کی فطرت اور بناوٹ سے ہم آہنگ ہو، عورت جسمانی اور نفسیاتی طور پر کمزور اور جذباتی بنائی گئی ہے، لہٰذا بہت سے کام ایسے بھی ہیں جو اس کی فطرت اور مزاج سے میل نہیں کھاتے۔ مثلاً سڑکوں کی صفائی، تعمیرات کے کام، کوئلے کی بھٹیوں میں کام کرنا وغیرہ، ایسے سخت جسمانی مشقتوں والے کام اس کی اپنی طبیعت پر ظلم کہلائیں گے۔ لہٰذا اسے ایسے کاموں سے گریز کرنا چاہیے۔

چھٹا اُصول:

گھر سے باہر نکلتے وقت لباس کے شرعی احکام کی پابندی کرے۔ اس کا لباس ساتر ہو اور لباس سے متعلق شریعت کے تمام احکام کی پابندی کرتا ہو۔ لباس کے شرعی احکام کا موضوع نہایت تفصیل طلب ہے، لہٰذا اس بحث میں نہ جاتے ہوئے ہم مختصراً اس کے اُصول ذکر کرتے ہیں:

۱۔لباس ساتر ہو،تمام بدن کو اچھی طرح ڈھانپتا ہو۔

۲۔ بے جا زیب و زینت کے اظہار کا ذریعہ نہ ہو۔

۳۔ باریک نہ ہو، بلکہ کپڑا اتنا دبیز ہو کہ جسم کا کوئی حصہ اس سے نہ جھلکے۔

۴۔تنگ اور چشت نہ ہو بلکہ ڈھیلا ڈھالا ہو۔

۵۔معطر نہ ہو۔

۶۔مردوں کے لباس کے مشابہ نہ ہو۔

۷۔ بے دین اور آزاد خیال خواتین کے لباس سے بھی مشابہ نہ ہو۔

۸۔تکبر،مفاخرت اور شہرت کے لیے نہ پہنا گیا ہو۔

ساتواں اُصول:

اپنے کام کے لیے عورت کو اجنبی مردوں سے تنہائی میں نہ ملنا پڑے۔اس کے علاوہ اسے اپنے کام کے دوران اگر مردوں سے بات کرنی پڑے تو اس کا انداز بہت محتاط ہو۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ اگر گھر کے معاشی حالات تنگ ہوں اور گزر اوقات کے لائق نہ ہوں،شوہر کی آمدنی اخراجات کے لیے ناکافی ہو رہی ہو یا شوہر کو کوئی ایسا عذر یا مجبوری لاحق ہو جائے کہ وہ اپنے فرائض انجام نہ دے پا رہا ہو تو عورت کا کسب معاش کے لیے تگ و دو کرنا مستحسن ہے،لیکن اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ گھر سے باہر نکلے۔

آج کل علوم و فنون کے ارتقاء اور ٹیکنالوجی نے بہت سے وسائل پیدا کر دیے ہیں کہ باصلاحیت لوگ گھر بیٹھے بھی اپنے لیے معاش کے متعدد راستے نکال سکتے ہیں۔مثلاً بہت سی

ایسی ملازمتیں ہیں جو انٹرنیٹ کے ذریعے گھر بیٹھے کی جا سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے کاروبار بھی گھر بیٹھے کیے جا سکتے ہیں۔

اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ عورت صرف شدید معاشی ضرورت کے پیشِ نظر ہی ملازمت، تجارت یا کسبِ معاش کا کوئی اور دوسرا طریقہ اختیار کرے۔ عورت اگر باصلاحیت ہے تو محض اپنے ذوق کی تسکین کے لیے بھی وہ ایسا کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے کرے۔

اسی طرح خدمتِ خلق اور خدمتِ دین کے جذبے کے تحت بھی بہت سارے کام بغیر معاشی ضرورت کے انجام دیے جا سکتے ہیں۔ خدمت خلق کے بہت سے میدان ہیں اس کے علاوہ تدریس اور طب میں اچھی باصلاحیت خواتین کی ضرورت ہے۔ ماہر نسواں مسلم طبیبات کی کمی ہر طرف محسوس کی جا رہی ہے۔

عہد نبوی ﷺ کے مطالعے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اس معاشرے میں عورتوں کو نہ صرف کسبِ معاش کا حق حاصل ہے بلکہ ان کو پورے مواقع فراہم کیے جاتے تھے اور عورتیں اپنے ذوق وشوق اور ضروریات کے حساب سے مختلف پیشے اختیار کرتی تھیں۔

روایات کے مطابق عرب کے جاہلی معاشرے میں عورتوں کو کسبِ معاش کے چاروں ذرائع، تجارت، زراعت، دستکاری، حرفت و مزدوری و اجرت اختیار کرنے کی آزادی حاصل تھی اور وہ حقیقت میں ان کے ذریعے مال کماتی تھیں۔ صرف پیٹ بھرنے کی حد تک نہیں اور نہ صرف تن ڈھانکنے اور سر چھپانے کی حد تک بلکہ باقاعدہ دولت مندی کے

حصول کے لیے بھی۔ یہ حق وہ آزادی اور واقعتاً تاریخی عہد نبوی کے مکی اور مدنی دور میں بھی استوار رہا اور خواتین ان چاروں ذرائع سے آمدنی حاصل کرتی تھیں اور دولت جمع کرتیں رہیں۔ ان میں حضرت خدیجہؓ کی تجارت کا واقعہ اتنا مشہور و معروف ہے اور اتنی بار اس کا حوالہ آچکا ہے کہ مزید کچھ کہنا تحصیل حاصل اور تکرار کا باعث ہوگا۔

سب سے نمایاں مثال اُم المؤمنین حضرت زینب بنت جحش اسدی خزیمیؓ کی ہے۔ جو ایک دستکار خاتون تھیں اور طرح طرح کی چیزیں تیار کرتیں اور فروخت کرتیں اور اس آمدنی کو راہِ خدا میں خرچ کر دیا کرتی تھیں۔ ان کو معاشی ضروریات کے لیے کسی قسم کے کاروبار کی ضرورت نہیں تھی۔ یقیناً نبوی معاشرہ ہمارے لیے ہر اعتبار سے ایک مثال معاشرہ ہے اور اس دور کی خواتین بہترین خواتین ہیں۔ ان کی سرگرمیاں اور جدوجہد ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔ وہ اسلامی زندگی کے صحیح خط وخال واضح کرتی ہیں اور اُصول متعین کرتی ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنی زندگی کے تمام مسائل میں انہیں کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

مرجع و مصادر

۱: (سورہ احزاب ۳۳)
۲: (الجامع لأحكام القرآن ۱۴/ ۱۷۹)
۳: (سورة اطلاق /۷)
۴: (القصص: ۲۳)
۵: (سورہ طه/ ۱۹۹)
۶: (الجامع لأحكام القرآن: ۱/۲۵۳)
۷: (مسلم کتاب الطلاق / باب جواز خروج المعتدة البائن والمتوفى عنها

زوجها فی النهار لحاجتها. ۲/۱۲۱۱)
۸: (صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب ذکر النساج ۲/۲۷۷)
۹: (بخاری ۳/۱۰۵۶)
۱۰: (حاشیه ردالمختار ۲/۲۷۱)
۱۱: (الاصابة ۷/۶۴۶)
۱۲: (النساء /۳۴)
۱۳: (رسول اللّٰہ ﷺ اور خواتین پروفیسر مظہر صدیقی، ص ۱۴۰)
۱۴: (الاصابة: ۴/۳۱۳ الاستیعاب علی حاشیة الاصابة)
۱۵: (اسد الغابة: ۷/۸۵)
۱۶: (حدیث نمبر ۸۸۲)
۱۷: (سیرت ابن الهشام ذکر المسیر الی الخیبر)
۱۸: (اسد الغابة جلد ۷/۳۶۳)
۱۹: (ایضاً: جلد ۷/۲۸۰)
۲۰: (الاصابة جلد/۴/۲۷۵)
۲۱: (الاصابة: ۴/۴۷۲) (الاستیعاب علی حاشیة الاصابة: ۴/۴۷۱)
۲۲: (الاصابة: ۴/۲۳۴)
۲۳: (اعلام النساء عمرؓ کماله: ۲/۲۵۷)
۲۴: (اسد الغابة: ۷/۱۷۷ ص)
۲۵: (اعلام النساء: ۲/۳۰۰)
۲۶: (النساء / ۳۴)

☆......☆......☆

المصباح

2

میری ماں میری جنّت !!

پیارے قارئین!

رات خاصی ڈھل چکی ہے، امید ہے آپ جاگ رہے ہوں گے۔ دیکھو آسمان پر کیا خوبصورت چمک ہے۔ جس طرح چاند کے جسم سے چمک گرتی ہے اسی طرح شبنم آسمان کے بدن سے گر رہی ہے! اس وقت دل بہت نرم اور ہمدردی سے بھر جاتا ہے۔ اس وقت دل اپنے چاہنے والوں کی صحبت کو ترستا ہے!

پیارے قارئین! آؤ اور تھوڑی دیر کے لیے میرے ساتھ شامل ہو جاؤ، اور میں تمہیں خوشی کی نرم لہروں میں نہلا دوں گا جو اب میرے دل میں ہیں۔

یہ تحریر جو تھوڑی دیر پہلے" میری گولڈ" کے پھول سے شروع ہوئی تھی میری زندگی کی سب سے سفید، پاکیزہ اور سب

سے نرم تحریر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس تحریر کا ہر لفظ اور رنگ، آسمان سے میری روح کے باغ میں گرا ہے۔ وہاں یہ میرے دل کے برش پر کھینچا گیا اور وہاں سے کاغذ پر سیاہی بن کر گرا ہے۔

تو میں آپ کو اس مضمون کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں، تا کہ آپ کی روح بھی میری روح کی طرح سے خوش ہو جائے!

* پہلے میں نرم لہر تھا، یہ کام کر سکتا ہے، لیکن دو اور الفاظ ہیں جو لہر کے ساتھ قابل قبول ہیں، نرم اور ملائم، لہر کے ساتھ نرمیت ایک عام لفظ ہے، اگر چہ نرمی قدرے بلند درجہ ہے، نرمیت، میری نظر میں اس مقام کے لیے اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ کیونکہ یہ لہر مادریت سے وابستہ ہے۔

کچھ دن پہلے، میرا مطلب ہے کچھ دن پہلے ایک بہت ہی اندھیری رات میں جب کہ رات کافی گہری تھی اور میرے اردگرد ایک غیر معمولی خاموشی اور تنہائی تھی، وہ خاموشی جو اندر کی دنیا میں آوازوں کی ایک حیرت انگیز نغمگی تخلیق کرتی ہے۔ اور وہ خلوت جو دل کی گہرائیوں میں ہستی کی صحبت حاصل کرنے کی شاندار صورت پیدا کرتی ہے۔

پھر کاش وقت رک جائے۔ یہ خاموشی اور تنہائی ہمیشہ قائم رہے!

پھر یاد آیا، بتاؤ کون ہے؟

مجھے اپنی ماں کی باتیں یاد آ گئیں۔ مجھے یقین ہے، گہری رات میں، فطرت کی خاموشی اور خلوت میں، اگر کسی کا دل زندہ اور پگھلتا ہے، مجھے یقین ہے، کوئی بھی شکر گزار بچہ اپنی ماں

کے الفاظ ہی یاد رکھے گا! چاہے وہ زندگی کے اس طرف ہو، یا دوسری طرف!

تو جو آپ نے سنا کہ رات کے اس انوکھے لمحے میں مجھے اپنی ماں یاد آئی! ماں، وہ اس وقت مجھ سے بہت دور تھی، لیکن اس فاصلے کو عبور کرنے کا کوئی راستہ نہیں تھا، اگر ہوتا تو ماں کے پاس دوڑتا، ماں کے قدموں کا لمس پاتا! اگر بات کرنے کا موقع بھی ملتا تو میں فون کر کے پوچھ لیتا...

ماں آپ کیسی ہیں؟ کیا تم جاگ رہی ہو ماں!

میں نے ادب کی فرمائش پر 'تم' لکھا، لیکن ہمارا دور 'تم' کا نہیں۔ ہم میں اتنی ہمت یا ہنر نہیں تھا جتنا آج کے بچوں میں ہے۔ اور ہم سے پہلے کا دور بھی ہمارے لیے عجوبہ تھا۔ میرے والد کہتے تھے، اماں جان، ابا جان، میں اماں کہتا ہوں، اور میں ابا کہتا تھا۔ میرے بیٹے کا پتہ ہے، ابو، امّو! یہ آج کل عام ہے۔

مجھے یقین ہے۔ اگر اس وقت ماں جاگ رہی ہو تو وہ نماز... دعا... یا تلاوت میں ہوگی۔ ماں کی آسمانی آواز جیسی تلاوت بہت مسحور کن ہے...!

میں نہ تو اپنی ماں کے پاس جا سکتا تھا اور نہ ہی ان سے بات کر سکتا تھا۔ اچھا ہوا، خاموش طبیعت کی خاموشی اور ٹوٹے دل کی تنہائی شدت سے محسوس ہو رہی تھی! اس نے میرے دل کی گہرائیوں میں ماں کے لیے ایسی تڑپ پیدا کر دی کہ خاموشی سے جگائے جانے والے الفاظ کی نغمگی کا استعمال کرتے ہوئے میں نے اپنی ماں کے بارے میں لکھنا چاہا، وہ ماں جس نے خود سخت درد سہا اور مجھے دنیا کی روشنی بخشی۔ وہ ماں جس نے سفید شبنم

کے قطروں سے میری جان بچائی اور وہ خود زندگی کے باغ کا کانٹا تھی۔

آپ کو تقدیر کی اٹل کھینچا تانی کے تحت آہستہ آہستہ آگے بڑھنا ہے، جب تک کہ آپ اپنی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہیں...

مت بھولیں کہ اس کے پیچھے ماں کی لازوال محبت وقربانی ہے

میری آج کی نسل سے التجا ہے کہ ماں اور پاپا جو بتائیں اور جو کچھ بھی کہیں، یاد رکھنے کی کوشش کریں کہ آسمان آپ سے کیا چاہتا ہے اور آپ آسمان سے کیا چاہتے ہیں!

***

یہ جبرائیل کی مشہور حدیث کا حصہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے صحابہ کرام کے مجمع میں حضرت جبرائیل تشریف لائے، قیامت کے صحیح وقت کے بارے میں پوچھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بھی صحیح وقت کا علم نہیں لیکن قیامت کی کچھ نشانیاں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ لوگ اونچی عمارتیں بنانے کا مقابلہ کریں گے، نااہل اور نالائق لوگ معاشرے کے سربراہ بنیں گے، دوسری نشانی یہ ہے کہ غلام اپنے آقا کو جنم دے گا!

سبحان اللہ۔ اللہ کے نبی کے علاوہ اور کون ہے جو اس طرح کی برائی کو اتنے خوبصورت اور جامع انداز میں بیان کرسکتا تھا؟ مطلب یہ ہے کہ ایک ماں ایک بچے کو جنم دے گی جو بڑا ہو کر اس کے ساتھ آقا جیسا اور غلام جیسا سلوک کرے گا اور یہ سلوک مظلوم ماں پر بوجھ ہوگا۔

آپ کو اسے بے بسی سے قبول کرنا پڑے گا۔

****

تمام تر درد کے باوجود اس نے مجھے پھولوں کی قربت اور خوشبو دی۔ وہ ماں...!

پیارے قارئین، میرے دل کی اس تڑپ کی وجہ سے، خدا نے مجھے یہ تحریر اُس دن خاموش لمحے میں عطا کی۔ وہ تحریر، جو میں آج رات آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں... جوش و ولولہ تب بھی تھا، اب بھی ہے! میں امید کر سکتا ہوں، میرے اور تمہارے دل کے درمیان ایک غیر معمولی رشتہ پیدا کرے گا!

پڑھیں، یہ تحریر میری والدہ کے لیے وقف ہے!

اپنی ماں کو یاد کرتے ہوئے، اپنی ماں سے محبت اور احترام کرتے ہوئے، اور اپنی والدہ کے لیے رحمٰن کی رحمت کے طلبگار پڑھیں! اگر آپ میری والدہ کو بھی یاد کرتے ہیں تو یہ آپ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا، **جزاك الله خيرا.**

بچپن میں میری ایک ہی خواہش تھی کہ ہر روز مشرقی افق پر طلوع ہوتے سرخ سورج کی سنہری روشنی کو دیکھنے سے پہلے اپنی ماں کے چہرے پر میٹھی مسکراہٹ دیکھوں۔ اور میں نے ایسا ہی کیا!

میں کب سے کہہ رہا ہوں، ماں آؤ، ایک لمحے کے لیے یہاں کھڑی ہو جاؤ۔ صبح کے روشن سورج کو دیکھو۔ میں دیکھوں گا کہ صبح کا روشن سورج زیادہ خوبصورت ہے یا آپ کے چہرے پر پیاری مسکراہٹ!

میری ماں کے چہرے پر مسکراہٹ اور بھی چمک اٹھے گی، جب میری ماں میری ٹھوڑی پر پیار کا نرم لمس پھیلائے گی۔ میں اس پیار کی نرمی میں، اس پیار کی گرمی میں پگھل جاؤں گا۔ اور اگر میں ان الفاظ میں بیان کروں جو میں نے اپنی والدہ کے اطمینان اور چمک کو دیکھ کر محسوس کیا تو شاید اس طرح ہوتا۔

میری مسکراہٹ کی روشنی آپ کی مسکراہٹ کے چراغ سے روشن ہے، باپ!

یا شاید کچھ اور، ایسی چیز جسے محسوس کرنے اور الفاظ میں بیان کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں ہے۔

جوانی میں میری ایک ہی خواہش تھی کہ میری ماں کی آغوش کا سایہ ہمیشہ میرے سر پر رہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میری ساری جوانی ماں کی آغوش کی ٹھنڈی چھاؤں میں گزری۔

تب بھی میں نے ماں کے ہاتھ سے گوندھے ہوئے دودھ کے چاول کھائے اور ماں کا ہاتھ پکڑ کر جہاں بھی جانا ہوتا، میں جاتا۔ میں تب سمجھ نہیں پایا تھا، لیکن اب سمجھ میں آیا ہے کہ اس میں میری ماں کو کتنا سکون ملا ہوگا! اس نے اپنے دل میں کیسا اطمینان محسوس کیا ہوگا!

ماں مسکراتے ہوئے مجھے ڈانٹتی اور کہتی، "کیا بکواس کر رہے ہو! کیا تم میرا ہاتھ ہمیشہ کے لیے تھامے رکھو گے؟ اے ماں! کاش یہ حقیقت ہوتا! کاش تمہارا ہاتھ میرا ہاتھ نہ چھوڑتا!"

لیکن دریا کے بہاؤ اور زندگی کی حرکت کو کون روک سکتا ہے۔ کوئی نہیں روک سکتا! کیونکہ دریا کا بہاؤ سمندر کی طرف ہے اور زندگی کی حرکت ابدیت کی طرف ہے!

***

میرے پاس اب بھی تمہارا ہاتھ ہے، ماں! لیکن جیسے جیسے میں آہستہ آہستہ بڑا ہوتا گیا، میرے ہاتھ آہستہ آہستہ چھوٹے ہوتے گئے۔ بڑے درد کے ساتھ، میں نے محسوس کیا کہ آج میرے مضبوط ہاتھ، ان کومل جوان ہاتھوں کی طرح، اب آپ کے ہاتھ تک نہیں پہنچ سکتے، ماں!

شاید زندگی یہی ہے۔ اور زندگی کے تقاضوں کو مان کر زندگی کی راہ پر چلنا ہے! دل میں کتنے ہی گہرے زخم کیوں نہ لگیں

ماں کتنی ہی تکلیف ہے اور تکلیف کیوں نہ ہو، وہ تیرا اپنا پن، وہ شفقت کا سایہ ابھی باقی ہے۔ لیکن میں، آپ کا چھوٹا لڑکا، اتنا بڑا ہو گیا ہوں کہ اب اس گلے کے نیچے کھڑا نہیں رہ سکتا، ماں! شاید اسی کو زندگی کہتے ہیں۔ اور زندگی اپنی رفتار سے آگے بڑھتی ہے! یہ صرف اکیلا نہیں جاتا، یہ آپ کو اور مجھے اپنے ساتھ کھینچتا ہے! زندگی کو ہماری خواہشوں پر، دلوں کی تڑپوں پر کوئی رحم نہیں آتا، بلکہ ہمیں زندگی کے تقاضوں اور ضرورتوں کے سامنے بے بس ہو کر ہتھیار ڈالنے پڑتے ہیں۔

***

بچپن اور جوانی کے خوش گوار ایام گزرے، اب میری کیا تمنا اور دعائیں ہیں، جانتی ہو ماں! آپ کے بڑھاپے میں، آپ کی مصیبت کے دنوں میں، میں آپ کا مکمل بھروسہ بنوں! مکمل امن کی پناہ! ہائے ہائے زندگی کی تلخ حقیقت دل کی کوئی خواہش پوری کرنا نہیں چاہتی۔ بچپن میں، میں نے تمہیں پیار سے چھیڑا، اور تمہیں سکون ملا! جوانی میں، میں نے

تمہیں بہت سی نفرتوں سے ستایا۔تب بھی آپ کے چہرے کی مسکراہٹ ختم نہیں ہوئی تھی۔

اور جب میں جوان تھا! جوانی کے جوش میں، جب مجھے خود بھی یاد نہیں تھا، کچھ رنگین خوابوں کی وجہ سے، میں نے صرف تمہیں تکلیف دی ماں! حیرت کی بات یہ ہے کہ اس وقت بھی آپ کی معافی اور ہمدردی کی شبنم مسکراہٹ نے مجھے یقین دلایا اور مجھے وارننگ دی! کیا دنیا کی تمام ماؤں کے ساتھ ایسا ہوتا ہے! نہیں، صرف تم، ماں!

***

آج تم بڑھاپے کے کنارے پر ہو، میں اس انتہا پر ہوں۔ایک ماں اور اس کا پہلا بچہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ بڑھاپے کے اوپری کنارے پر کھڑی ماں پریشان نظروں سے اپنے بچے کو دیکھتی ہے! کاش بچہ ایک بار اپنی ماں کی طرف مڑ کر دیکھتا، بس تھوڑا سا۔ جسے وہ دیکھ سکتی! اور بڑھاپے کے نچلے کنارے پر کھڑا بچہ، ماں کا پہلا بچہ، زندگی کے سراب میں اس قدر کھو جاتا ہے کہ نہ پوچھو...!

ماں! خدا جانے آج میرے توبہ کرنے والے دل کی ایک ہی خواہش، ایک ہی التجا ہے کہ تمہارے چہرے پر وہی میٹھی مسکراہٹ ہو، تمہاری آنکھوں میں آنسو نہ ہوں، ماں! مگر افسوس تیری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اب صبح آتی ہے، شام ہوتی ہے میری زندگی میں! سورج طلوع ہوتا ہے، جیسے میرے دل میں کوئی امید جگا رہا ہو، اور سورج غروب ہوتا ہے، جیسے میرے پورے وجود میں اداسی اور اداسی کی سیاہی بکھیر رہا ہو!

شاید زندگی یہی ہے۔اور بہت کم لوگ زندگی کے مقناطیسی پل سے بچ سکتے ہیں!

کبھی کبھی میں زندگی کی مختلف پیچیدگیوں اور روشوں میں اس قدر بے بس ہو جاتا ہوں کہ مجھے یاد بھی نہیں رہتا کہ میرے دل میں اپنی ماں کی تڑپ ہے! مجھے اپنی ماں کے لیے ایک یقین اور ایک تڑپ ہے...

اب زندگی اور جوانی دونوں ہی گئے مجھ سے! زندگی کے خواب اور خوابوں کی قوس قزح سب ڈھل کر ایک ہو گئے!

تو جب میں زندگی میں سب کچھ کھو کر بالکل خالی اور خاموش ہو جاتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ ماں تیری شفقت کی نگاہیں آج بھی مجھے بچپن کے ان معصوم دنوں کی طرح نہلا رہی ہیں۔ تب میرا شکرگزار دل صرف ایک بار مہربان سے دعا کرتا ہے۔

کاش میں آپ کی آنکھوں سے آنسو پونچھ سکتا ماں۔ کاش میں آپ کے چہرے پر وہ میٹھی مسکراہٹ واپس لا سکتا، چاہے یہ صرف ایک بار ہی کیوں نہ ہو، ماں۔

شاید یہ ماں میرے ٹوٹے دل کی بے معنی چیخیں ہیں۔ یہ فریاد میرے دل میں چھپے رہنے دو! میں اپنے مہربان خدا کی پناہ لیتا ہوں! اور میں اس سے التجا کرتا ہوں، جو تمام تر شفقتوں کا سرچشمہ ہے!

میری ماں کو میرے لیے خوش کر دے، اے اللہ! میری ماں کے چہرے پر وہ پیاری مسکراہٹ واپس لا، اے اللہ!

***

اب تم خوش ہو ماں! اب آپ کے چہرے پر مسکراہٹ ہے ماں!! اب میں ایک

بات جاننا چاہتا ہوں ماں؟ اکیلی زندگی کے اس سائے میں کھڑے ہو کر مجھے اپنے باپ یاد آتے ہیں، ماں!

میرے والد!

آپ کے چہرے پر کتنی خوبصورت آسمانی مسکراہٹ ہے ماں!! اس مسکراہٹ کو اپنے ساتھ اپنے والد کے پاس لے جاؤ، ماں!! اور...!!!

***

پیارے قارئین، مجھے ایک اور چھلکے ہوئے پھول کے پیچھے بیٹھنے دیں اور آپ سے کچھ اور بات کریں!

میری ماں کے لیے وقف اس مضمون کو پڑھ کر، کیا آپ کے دل میں ماں کے لیے کوئی نرمی پیدا ہوئی ہے؟ اگر آپ ہاں کہتے ہیں، اور مجھے امید ہے کہ آپ کہیں گے، اگر آپ ایسا کرتے ہیں، تو میں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھوں گا! کیونکہ زندگی میں ایک طویل سفر طے کرنے کے بعد، جو گرمجوشی اور ندامت اور وہ نرم احساس جو اب میں اپنی ماں کے لیے رکھتا ہوں، میں چاہتا ہوں، میرے پیارے یہ سب کے دلوں میں بہہ جائے۔ ایک ماں کی شفقت کی گرمی اور میرے دل کا پچھتاوا، زندگی کے اختتام پر ابدیت کے سفر کا یہی واحد راستہ ہے!

میری خواہش ہے کہ میرا ہر چاہنے والا اس راستے پر ابد تک سفر کر سکے۔ ہم سب اس خوبصورت منزل تک پہنچیں!

***

اچھا اب سنو!...

یہ مضمون شائع ہوا جسے میں نے اسے اپنے دل کی خواہش سے لکھا ہے۔ میں نے اپنی ماں کو نہیں بتایا، لیکن وہ جانتی تھیں اور پڑھتی تھیں۔ کچھ دنوں بعد میں اپنے بیٹے کے ساتھ اپنی والدہ سے ملنے گیا۔ میری والدہ کے چہرے پر اطمینان کے تاثرات تھے۔

مجھے کہا کہ....

میں نے آپ کی تحریر پڑھی۔ تب سے مجھے آپ سے ملنے کی بہت خواہش ہے۔ اللہ نے وہ خواہش پوری کر دی۔

ماں کے منہ سے نکلا ہر لفظ ماں کی محبت کی مٹھاس میں بھیگا ہوا لگتا تھا، جس نے میرے پیاسے دل کو بھر دیا...! میں نے اپنے والد کے جانے کے بعد شاید اپنی ماں کے چہرے پر ایسا پرسکون تاثر کبھی نہیں دیکھا۔ تیرا شکر اے اللہ تیرا شکر۔

ماں کے گھر سے واپس آتے ہی بیٹے نے کیا سوچا؟

انہوں نے کہا کہ تحریر پڑھ کر لگتا ہے کہ آپ کے دل کے جذبات اور آرزو پوری طرح سے بیان نہیں ہوئی، لگتا ہے کہ قلم کی سیاہی سے اور دل سے کھینچا ہوا کچھ اور بھی لکھا جانا ہے۔

اُم صفیہ

غزواتِ نبوی

اور

دیگر جنگوں میں خواتین کی شمولیت

غزوات نبوی میں خواتین عصر ''صحابیات طاہرات'' کی شرکت صرف واقعیت ہی نہیں بلکہ سنت نظر آتی ہے۔ سنت کی ایک تعریف یہ بھی ملتی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام مسلسل کیا ہو اور کبھی اس کو کسی وجہ سے ترک بھی کیا ہو غزوات و اسفار میں صحابیاتِ طاہرات کی شمولیت بالخصوص ازواجِ

مطہرات کی شرکت ومعیت ایک سنتِ متواترہ لگتی ہے۔ کیونکہ رسولِ اکرم ﷺ نے غزوۂ بدر کے بعد تمام غزوات میں ان خواتینِ عصر کو ان کے اصرار و درخواست پر مختلف وجوہ سے ضرور شامل فرمایا۔ ازواجِ مطہرات کا معاملہ اور بھی خاص ہے کہ ان کی شرکتِ اسفار و غزوات ان کی اپنی التجا کے بجائے رسولِ اکرم ﷺ کی عرضی اور تحریک پر ہوتی تھی۔ روایاتِ سیرت اور احادیثِ نبوی دونوں کا اتفاق ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ ہر سفر اور ہر غزوہ کے موقع پر قرعہ ڈالتے تھے اور ازواجِ مطہرات میں سے جس خاتونِ محترمہ کا نام نکل آتا تھا ان کو شرفِ صحبت و معیت سے نوازتے تھے۔ اور ایسا بھی مختلف موقع پر نظر آیا کہ ایک سے زیادہ کم از کم دو یا تین ازواجِ مطہرات کی کسی غزوہ یا سفر میں شمولیت رہی۔ ان روایات میں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ فتح مکہ ''اور غزوۂ حجۃ الوداع'' کے مواقع پر تمام ازواجِ مطہرات کو معیت کا شرف ملا تھا۔ مزید یہ بھی صراحت ملتی ہے کہ بسا اوقات ان ازواجِ مطہرات کی رفاقت و خدمت کے لیے بعض دوسری معزز خواتین بھی ساتھ ہوتی تھیں۔ ان کے علاوہ بعض ''جواری'' (باندیوں، کنیزوں اور خادماؤں) کی شرکت کا امکان بہر حال پایا جاتا ہے اور واقعہ بھی ملتا ہے۔ غزوات میں جنگ و جدال کا بہر حال قوی امکان رہتا تھا اور بڑے غزوات میں قتال و جہاد کے سخت مواقع بھی آئے تھے۔ ایسے نازک مواقع پر ''خاتونانِ جنت'' کا ساتھ لے جانا سخت خطرات کے مضمرات رکھتا تھا اور رسولِ اکرم ﷺ ان سے خوب واقف تھے۔ لہٰذا خواتین و ازواجِ مطہرات کو ایسے خطرناک مواقع پر ساتھ لے جانے کی ضرور کوئی کوئی حکمت اور کوئی نہ کوئی علت تھی۔ اس مقالے میں دو خاص مباحث ہوں

گے: اول مبحث میں غزوات میں خواتین کی شمولیت کا مختصر تجزیاتی مطالعہ پیش خدمت ہے اور دوسرے مبحث میں ان روایات و احادیث کا تنقیدی مطالعہ ہوگا جو عہدِ نبوی کے بعد خلافتِ اسلامی کے مختلف ادوار میں خواتین عصر کے غزوات و جہاد میں شرکت و کارکردگی کا ذکر کرتی ہیں۔

مبحثِ اوّل: غزواتِ نبوی میں خواتین کی شرکت

سلسلۂ غزواتِ نبوی میں خواتین عصر یعنی صحابیات کی شرکت غزوۂ اُحد ۳/ ۶۲۵ سے باقاعدہ شروع ہوئی۔ اولین غزوات و سرایا میں ان کی شرکت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور نہ کوئی ضرورت نظر آتی ہے کہ وہ جنگوں سے زیادہ مہمات تھیں۔ غزوۂ بدر ۲/ ۶۲۴ کے عظیم معرکۂ حق و باطل میں ان کی شرکت یوں نہ ہوسکی کہ وہ اچانک کاروانِ قریش کے نکلنے کی وجہ سے پیش آیا تھا اگرچہ ایک صحابیہ محترمہ حضرت اُم ورقہ بنت عبداللہ بن حارث خزرجیؓ نے اپنے ایک بے پایاں شوق شہادت سے اس میں جانا چاہا تھا۔ مگر رسولِ اکرم ﷺ نے ان کو شہادت کی بشارت دے کر شہیدہ کا خطاب عطا کیا اور اس غزوۂ عظیم میں جانے کی اجازت نہ دی۔ (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء، ۸/ ۴۵۷؛ ابن اثیر، اسد الغابہ، طہران ۱۹۳۸ء، ۵/ ۴۸۹؛ ابوداؤد، سنن، حدیث؛ ۵۹۱_۵۹۲؛

غزوۂ اُحد سے آخری غزوۂ تبوک ۹/ ۶۳۱ تک تمام غزواتِ نبوی میں صحابیات کی ایک تعداد شرکت کرتی رہی۔

ان میں مستقل شریکات تو رسولِ اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں سے ”قرعہ فال

بنام دیوانہ زدند'' کی مصداق تھیں۔ غزوۂ اُحد کی شریک صحابیات تھیں؛ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت اُم سُلَیم بنت ملحان خزرجیؓ، حضرت اس سلیطؓ، حضرت ربیع بنت معوذ انصاریؓ، حضرت اُم عمارہ نسیبہ بنت کعب مازنی خزرجیؓ اور حضرت اُم حمنہ بنت جحش اسدی خزیمیؓ۔ ان کے علاوہ دوسری خواتین اسلام اور مجاہدات بھی ضرور شریک تھیں جیسا کہ حضرت حمنہؓ کا واقعہ بتاتا ہے مگر ان کا ذکر نہ آسکا۔ دوسری طرف غزوۂ اُحد میں فریقِ مخالف لشکر قریش میں متعدد اکابر وشیوخ کی بزرگ ومحترم خواتین وازواج بھی شامل تھیں۔ غالبًا وہ غزوۂ بدر اور بعد کے دوسرے غزواتِ خندق وغیرہ میں بھی شامل رہی تھیں کہ وہ عربوں کی ایک سماجی اور فوجی ریت رہی تھیں۔ غزواتِ مریسیع، حنین وغیرہ میں کافرات ومشرکات کی شمولیت دوسری جنگی کارروائیوں بالخصوص بڑی جنگوں میں ان کی شرکت کو ایک یقینی واقعہ بناتی ہے۔ اس کے علاوہ متعدد انفرادی روایات میں ان کی جنگی خدمات کا ذکر برابر ملتا ہے۔ (بخاری، حدیث: ۲۸۸۰ وغیرہ؛ فتح الباری ۶/ ۹۶۔۹۷ وغیرہ؛ ۷/ متعدد/ مختلف صفحات، کتاب المغازی کے ابواب؛ اسد الغابہ، ۵/ ۴۲۸۔۴۲۹ اور دوسرے تراجمِ صحابیات؛ رسولِ اکرم ﷺ اور خواتین، ۹۴۔۱۰۱ دوسرے تمام مآخذ کے لیے)

غزوۂ مریسیع ۵/ ۶۲۷ میں مجاہداتِ اسلام شریک تھیں اور ان میں ازواجِ مطہرات بھی شامل تھیں جب حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت اُم سلمہؓ بنو المصطلق کی خواتین میں بہت سی شریک تھیں جن میں حضرت جویریہؓ بنت حارث مصطلقی خزاعی اپنے قبیلہ کے شیخ ورئیس کی دختر ممتاز ترین تھیں کہ گرفتار ہوئی اور احسانِ نبوی سے آزاد ہو کر اُم المؤمنین بنیں۔

(بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الافک؛ کتب تاریخ میں غزوہ مریسیع کا باب؛ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خواتین، ۱۰۱۔۱۰۳)

اسی برس کے عظیم ترین غزوۂ خندق میں ازواجِ مطہرات میں سے حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا موجود تھیں اور محاذِ جنگ پر خدمات انجام دی تھیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ نے جہاد بھی کیا تھا غزوۂ خندق کے تو اُم غزوۂ بنی قریظہ میں بھی خواتین کی شرکت اوران کی حوصلہ افزائی وغیرہ کا ذکر ملتا ہے اوران میں حضرت صفیہؓ پیش پیش تھیں۔ صلحِ حدیبیہ ۶/ ۶۲۸ اگر چہ عمرہ کا مقدس دینی سفر تھا مگر اسے بھی محدثین تک نے غزوہ قرار دیا ہے اور اس میں کئی خواتین شریک تھیں۔ ان میں اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہؓ کا کردار بہت مجاہدانہ اور سرفروشانہ تھا جس نے خواتین کا سر فخر سے بلند کیا تھا۔

(بخاری، کتاب المغازی/ ابواب خندق، مریسیع، بنی قریظہ و صلح حدیبیہ وغیرہ؛ فتح الباری کے متعلق مباحث اور کتبِ سیرت و تاریخ؛ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خواتین، ۱۰۳۔۱۰۶)

غزوۂ خیبر ۷/ ۶۲۹ میں خواتین اسلام کی شرکتِ خاص کا ذکر بہت اہتمام سے کیا جاتا ہے کہ وہ ایک دور دراز کے علاقے اور ایک بڑے دشمن اسلام یہود خیبر کے خلاف جہاد میں حصہ لینے جارہی تھیں۔ ان میں بائیس یا چھبیس خواتین کے نام ملتے ہیں۔ جن میں سے اہم ترین تھیں؛ اُم المؤمنین اُم سلمہ، حضرت اُم عمارہ، حضرت اُم منیع، حضرت اُم عامر اشہلی، حضرت اُمیہ بنت قیس غفاری، حضرت اُم سنان اسلمی، حضرت اُم مطاع اسلمی، حضرت کعیبہ بنت سعد اسلمی، حضرت اُم العلاء انصاری، حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب ہاشمی،

حضرت اُم ایمن، حضرت سلمیٰ (موالی نبوی)، حضرت اُم سلیم بنت ملحان، حضرت اُم الضحاک، حضرت ہند، حضرت اُم سلیط رضی اللہ عنہن۔اسی طرح غزواتِ فتح مکہ، حنین، طائف ۸/۶۳۰ اور غزوۂ تبوک ۹/۶۳۱ میں بعض محترم خواتین اور ازواج کی شرکت ملتی ہے (بخاری/ فتح الباری، کتاب المغازی کے ابوابِ مختلفہ؛ اسد الغابہ میں تراجمِ صحابیات؛ کتب سیرت وتاریخ کے ابواب متعلقہ؛ رسولِ اکرم ﷺ اور خواتین، ۱۰۶۔۱۱۴ و مابعد......)

عہد نبوی کے غزوات ومہمات اور جنگوں اور سفروں میں صحابیات وازواجِ مطہرات کے شریک ہونے کی جہات مختلف ہیں:

......متعدد غزوات میں ان کی شرکت کے بارے میں یہ صراحت نہیں ملتی کہ وہ ازخود شریک ہوئی تھیں یا رسولِ اکرم ﷺ کی تحریک واجازت پر شرکت کی تھی۔

......بعض غزوات میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ خواتینِ عصر نے رسولِ اکرم ﷺ سے شرکت جہاد کی اجازت مانگی تھی۔

......بہرصورت صحابیاتؓ اور ازواجِ مطہراتؓ رسولِ اکرم ﷺ کی اجازت ومنشا سے ہی شریک رہی تھیں۔

......ان میں ازواجِ مطہراتؓ کی شرکت وحاضرین کا معاملہ مختلف بھی ہے اور اہم بھی کہ ان کو رسولِ اکرم ﷺ نے بنفسِ نفیس ساتھ لے جانے کا طریقہ اختیار فرمایا تھا اور اس کے لیے قرعہ ڈالتے تھے اور اس انتخاب کے بعد منتخبہ کو لے جاتے تھے۔

......ازواجِ مطہراتؓ کی شرکتِ غزوات بالعموم رفاقتِ نبوی کی خاطر تسلیم کی جاتی

ہے اور وہ عظیم ترین وجہ بھی تھی۔ مگر غزوۂ اُحد میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی پانی پلانے کی خدمت اور دوسرے مواقع پر زخمیوں اور اسیروں کی دیکھ بھال کی خدمت بھی انہوں نے انجام دی تھی۔

……عام طور سے مجاہدات اور شریکاتِ غزوات کے تین مقاصد بتائے جاتے ہیں:

اول: سپاہیوں اور مجاہدوں کے لیے کھانا پکائیں گی اور خیمہ وخرگاہ کی دیکھ بھال کریں گی۔

دوم: زخمیوں اور بیماروں کی دوا دارو اور علاج معالجہ کریں گی۔ فوجی طبی خدمات میں خواتین کا ہی ذکر ملتا ہے۔

سوم: میدانِ جنگ میں مجاہدوں کو پانی پلانے کی سعادت حاصل کریں گی اور دوسری ضروریات پوری کریں گی۔

……لیکن ان کے علاوہ بھی ان مجاہدات نے دوسرے خالص مجاہدانہ کارنامے انجام دیئے تھے جیسے:

☆ شہیدوں کی تدفین کے لیے قبریں کھودیں اور ان کے لاشوں کو میدانِ جنگ سے قبور تک منتقل کیا۔

☆ متعدد مواقع پر مجاہدینِ اسلام کی طرح جنگ وقتال کیا ور زخم و جراحت کے مرحلوں سے گزریں۔

☆ اور سب سے اہم یہ سعادت ان میں سے بعض نے پائی کہ رسولِ اکرم ﷺ کے

دفاع میں اپنی جان داؤ پر لگادی۔

☆ بعض خاص مراحل پر انہوں نے بہت مفید اور قیمتی مشورے دیئے اور ہر مقام و غزوہ میں مسلم مجاہدین کی ہمت افزائی کی اور قتال و جہاد پر ان کو ابھارا بلکہ پہلو تہی کرنے والوں کو غیرت دلا کر میدانِ جنگ میں ان کو ثابت قدم بنایا اور جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔

مبحث دوم: خلافت راشدہ میں خواتین کی شرکت جہاد

وفاتِ نبوی ﷺ کے بعد کا زمانۂ خلافت بالخصوص خلافتِ راشدہ میں اولین تین خلفاء کرام حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کا عہدِ مبارک مسلسل جہاد کا ایک زریں اور قابلِ تقلید زمانہ تھا۔ خلافت صدیقی کا اولین سال ردّہ جنگوں کا سنہ کہا جاتا ہے کہ اس کے دوران مرتدوں کے خلاف فوجی کارروائی کی گئی۔ بعد کے ڈیڑھ سالہ دور عراق و شام کی فتوحات کا زمانہ ہے اور اس کا تسلسل خلیفہ سوم کے عہد تک برابر رہا تھا بلکہ خلافتِ فاروقی اور خلافتِ عثمانی کے طویل و عظیم ترین دورِ مبارک میں فتوحات کی حدود وسیع تر ہوگئی تھیں کیونکہ ایشیا میں عراق و شام کے علاوہ ایران و خراسان اور ترکستان وغیرہ کے علاقے اسلامی خلافت میں شامل کیے گئے اور براعظم افریقہ میں مصر اور اس کے مغرب میں واقع ممالک لیبیا، الجیریا، تیونیشیا، مراکش وغیرہ کی فتوح شامل تھیں۔ خلافتِ عثمانی کے دوران گورنر شام حضرت معاویہ بن ابی سفیان اموی رضی اللہ عنہ کی بحریہ نے بحرِ روم پر سلطانی کی جس کا ذکر صحیح احادیث کے مطابق رسولِ اکرم ﷺ کی مبشرات میں موجود ہے اور متعدد جزیروں اور علاقوں پر قبضہ کیا گیا اور آخر آخر میں یورپ کے براعظم کے دوسرے جزائر کے علاوہ

خاص اس کی ایک سرزمینِ اندلس پر بھی حملہ کر کے فتح حاصل کی گئی۔(فتوحات اسلامی کے مصادر و ماخذ کے لیے ملاحظہ ہو: مصادر قدیم و جدید مندرجہ ذیل جیسے تاریخ طبری، فتوح البلدان، بلاذری وغیرہ بالخصوص خلفاء اسلام کی سوانح و سیر پر کتب جیسے سیرۃ الصدیق، صدیق اکبر، الفاروق، عثمان ذوالنورین، المرتضٰی اور امیر المؤمنین معاویہ وغیرہ ،تاریخ تہذیب اسلامی، نئی دہلی۱۹۹۴،۱۹۹۸ء جلداوّل ودوم)۔

ان تمام فتوحات میں نہ سہی، بیشتر فتوحات اور اکثر غزوات میں، خواتین اسلام ضرور شامل رہی تھیں۔ان کا ذکر صریح یا مضمر خلافتِ صدیقی سے خلافتِ عثمانی تک مسلسل ملتا ہے اور بعد کی خلافتِ اسلامی کے ادوار میں بھی۔ یہ دراصل سنتِ نبوی کی توسیع ،تقلید، پیروی، اتباع اور تسلسل کی روایت صالحہ ہے جو خلافتِ اسلامی میں بھی اپنے قابلِ تقلید خیر القرون اور امام المسلمین سید المرسلین ﷺ کی روایت جہاد کی پیروی اور اتباع میں اپنائی گئی تھی۔ خواتین عصر کی شرکتِ جہاد کا موضوع مورخین وسوانح نگاروں کے نزدیک ضمنی تھا لہٰذا وہ ہر غزوہ اور ہر فتح میں نظر نہیں آتا۔

خلافتِ صدیقی میں شرکتِ خواتین

صدیقِ اکبر میں مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ نے عہدِ صدیقی کے فوجی نظام پر بحث کرتے ہوئے ایک خاص سرخی لگائی ہے: ’’عورتیں بھی ساتھ ہوتی تھیں۔‘‘ اس کے تحت ان کا بیان مختصر ہے جو حسبِ ذیل ہے:

’’فوج کے ساتھ عورتیں بھی ہوتی تھیں جن کا کام زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا اور پانی پلانا

وغیرہ ہوتا تھا۔ دف اور طبلِ جنگ بھی بجاتی تھیں تاکہ فوج میں جوش پیدا ہو۔ اگر کوئی نازک موقع آتا تھا تو جنگ میں بھی حصہ لیتی تھیں۔ چنانچہ عہدِ نبوت میں اور پھر عہدِ صدیقی میں اس قسم کے بعض مواقع پیش آئے تھے۔'' (صدیق اکبر، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۷ء، ۳۷۲-۳۷۳ بحوالہ فتوح الشام للواقدی ذکر عہدِ صدیقی؛ مولانا مرحوم نے خواتین کی شرکتِ جہاد کی مثالیں اور روایات دے کر اپنے بیان کو مدلل و مستند نہیں بنایا مگر عہدِ صدیقی کی جنگوں کے حوالے سے خواتین کے کارناموں کا ذکر اور میدانِ جنگ میں ان کی موجودگی کا بیان مختلف روایات کے حوالے سے ضرور دیا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل آگے آتی ہے۔ حوالہ میں واقدی کی فتوح الشام کا ذکر صحیح نہیں کہ دستیاب کتاب واقدی کی نہیں ہے، ان کی طرف منسوب ہے۔ ان کی اصل کتبِ فتوح مفقود ہیں، صرف کتاب المغازی ہی دستیاب تصانیف واقدی میں اصلی ہے، باقی جعلی ہیں۔ ملاحظہ ہو مضمونِ: ''مصادر سیرتِ نبوی: میں مضمون بر امام واقدی (زیرِ طبع): کتاب المغازی مرتبہ مارسدن جونز آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن ۱۹۶۶ء کا مقدمہ مرتب؛ واقدی پر مضامین مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی و محمد یٰسین مظہر صدیقی، الفرقان لکھنؤ، اگست و اکتوبر ۲۰۰۵ء بالترتیب)

قدیم مآخذِ تاریخ اور کتبِ سوانح میں اسلامی جہاد کے مختلف معرکوں میں خواتین عہد کی شرکت کا ثبوت ملتا ہے۔ تاریخ طبری، ابن اثیر کی الکامل فی التاریخ، ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ وغیرہ کے علاوہ صحابہ کے معاجم ابن اثیر کی اسد الغابہ اور ابن حجر عسقلانی کی الاصابہ وغیرہ میں ان کی بہت سی روایات و اخبار موجود ہیں جو سنتِ نبوی کے تسلسل کو بتاتی ہیں۔ ان

ہی قدیم مآخذ و مصادر سے جدید سیرت نگاروں اور مورخوں نے خواتین کی شرکت جہاد کا تذکرہ لیا ہے جو بعض جنگوں اور معرکوں کے حوالے سے ہی ہے اور اکادکا روایات نقل کرتا ہے۔ حالانکہ وہ مولانا اکبرآبادیؒ کے بقول یہ ایک مسلسل روایت عہد تھی۔ (طبری، تاریخ، دارالمعارف مصر ۱۹۶۲ء جلد سوم و چہارم؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، بیروت ۱۹۶۵؛ اسد الغابہ، تہران ۱۹۳۸ء؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مطبعۃ السعادہ مصر ۱۹۳۲ء؛ ابن حجر عسقلانی، الاصابہ، قاہرہ ۱۹۳۸ء نیز دیگر کتب مذکورہ)

خلافت صدیقی کے ڈھائی سالہ عہد (۱۱/۶۳۲۔۱۳/۶۳۴) کے دوران مسلم خواتین نے بالعموم اور صحابیات نے بالخصوص نے اپنے فرزندوں، شوہروں اور دوسرے قبیلہ والوں کے ساتھ ردّہ جنگوں میں بھی حصہ لیا تھا اور عراق و شامی فتوحات کے مختلف معرکوں میں بھی۔ قدیم جاہلی روایات کے مطابق فریق مخالف کی طرف سے مرتدوں اور اہل عراق وشام کے لڑاکوں کے ساتھ بھی ان کی خواتین شریک جنگ رہتی تھیں جیسا کہ جاہلی دور کے علاوہ خاص عہدِ نبوی کے غزوات اور معرکوں میں سلسلہ رہا تھا۔ جنگِ بزاخہ میں طُلَیحہ بن خویلد اسدی اور ان کے ہمنوا فزاری قائدین اور اکابر کے ساتھ ان کے یہاں اور عورتیں موجود تھیں۔ ان میں خاص اُم قرفہ بنت ربیعہ بن فلاں بن بدر کی دختر ام زملی سلمیٰ بنت مالک بن حذیفہ بن بدر اپنے اکابر کے ساتھ موجود تھی۔ مشہور متنبیہ (نبوت کا دعویٰ کرنے والی) سجاح بنت حارث بن سوید بن عقفان تغلبی خود عورت تھی اور ایک بڑی قائد بھی اس کی فوج میں بہت سی عورتیں موجود تھیں۔ ان دشمن خواتین اور حریف جنگجو عورتوں کی فوجی خدمات سے ہمیں زیادہ بحث نہیں ہے۔ (طبری ۳/۲۶۳۔۲۶۴ وغیرہ؛

صدیق اکبر، ۱۸۸، ۱۹۰ ومابعد نیز تاریخ تہذیب اسلامی، ۲/ ۱۵ ومابعد)

ردّہ جنگوں میں مسلم مجاہدین اور خاص کر حضرت خالد بن الولید مخزومیؓ جیسے اکابر قائدین کی خواتین بھی ان میں موجود تھیں۔ حضرت مالک بن نُویرہ تمیمیؓ اوران کی زوجہ محترمہ ام تمیمؓ میدانِ جنگ میں موجود تھیں جب حضرت خالدؓ اوران کے امراء نے ان کو غلطی سے قتل کردیا تھا۔ حضرت مالکؓ کی شہادت کے بعد حضرت خالدؓ نے حضرت ام تمیمؓ سے شادی کرلی تھی جس پر سخت نکیر کی گئی تھی۔ حضرت خالد بن ولید مخزومیؓ کی جنگی حکمتِ عملی، طریق وروش اور حریف فوج کی خواتین کے ساتھ سلوک پر سخت نکتہ چینی کی گئی۔ حضرت عمر فاروقؓ کو ان کی متعدد چیزوں سے بہت اختلاف تھا اور وہ حضرت صدیق اکبرؓ پر ان کے سلسلے میں دباؤ ڈالتے رہتے تھے۔ لیکن حضرت صدیق اکبرؓ رسولِ اکرم ﷺ کی نرم روی اور امراءِ فوج کی حمایت کی پالیسی کے تحت ان کا دفاع کرتے رہتے تھے۔ البتہ جب حضرت خالدؓ نے جنگ یمامہ کے بعد شادی کی تو وہ بھی چیخ اُٹھے کہ بارہ سو مجاہدوں کا خون ابھی خشک نہیں ہوا اور تم شادیاں کرتے پھرتے ہو۔ اسی جنگ یمامہ میں حضرت اُم تمیمؓ کو ان کے خیمہ گاہ میں پاکر چند مجاہدوں نے قتل کرنا چاہا تھا مگر ایک دوسرے امیر نے ان کو اپنی جوار میں لے کر اپنی پناہ میں لے لیا۔ صدیق اکبر میں شیخین کے اختلاف کے تحت مولانا اکبر آبادی نے موقف صدیقی کی تائید کی ہے۔ (طبری، ۳/ ۲۸۱ ومابعد؛ اکبر آبادی، صدیق اکبر ۱۹۶۔ ۲۰۷ تا ۲۱۴ وغیرہ؛ موقفِ فاروقی البتہ زیادہ حکیمانہ اور صحیح تر تھا)

جنگ یمامہ قبیلہ بنو حنیفہ کے مشہور جھوٹے نبی مسیلمہ کذاب کے خلاف ۱۲/ ۶۳۳ میں

لڑی گئی تھی۔ وہ ایک عظیم معرکۂ حق و باطل تھا اور اس میں صحابہ کرامؓ کے ساتھ بہت سی صحابیات طاہرات جنگ میں بھی شرکت کے لیے گئی تھیں۔ ان میں سے ایک عظیم مجاہدہ حضرت اُم عُمارہ انصاریہؓ بھی اپنے فرزندوں اور دوسرے عزیزوں کے ساتھ شامل ہوئی تھیں۔ وہ عہدِ نبوی میں غزوۂ اُحد سے برابر نہ صرف شرکت کرتی تھیں بلکہ باقاعدہ جنگ و قتال میں مجاہدانہ اور سرفروشانہ حصہ لیتی تھیں۔ جنگ یمامہ میں ابن اثیر کے مطابق انہوں نے اس طرح قتال کیا تھا کہ لڑتے لڑتے ان کا ایک ہاتھ کٹ کر گر گیا تھا مگر وہ اس کے بعد بھی جنگ کرتی رہی تھیں۔ دوسرے سوانح نگاروں اور مورخوں نے بھی ان کے اس جنگ کے کارنامے پر دادِ تحسین دی ہے۔

(ابن سعد، ۸/۴۱۴۔۴۱۵؛ ابن ہشام ۲/۸۴؛ ابن کثیر، ۴/۳۴؛ وغیرہ عہد نبوی و جنگ یمامہ کے لیے؛ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خواتین۔ایک سماجی مطالعہ، ۹۹ و مابعد؛ اسد الغابہ ۵/۶۰۵۔۶۰۶)

ظاہر ہے کہ جنگ یمامہ میں حضرت اُم عمارہ نسیبہ بنت کعب مازنی انصاری واحد خاتون مجاہدہ نہیں تھیں ان کے ساتھ ان کے خاندان اور دوسرے قبائل کی متعدد خواتین بھی شریک رہی تھیں جیسا کہ روایت اسلامی و جاہلی رہی تھی۔ طبری نے ایک مقام پر وضاحت کی ہے کہ عرب اکابر و مجاہدین اپنی خواتین کو بھی اپنے ساتھ میدانِ جنگ میں لے جایا کرتے تھے۔ بسا اوقات وہ ان کو مجبور بھی کرتے تھے تاکہ وہ میدانِ جنگ میں ان کو غیرت و جوش دلائیں اور ان کے قدم ثابت رہیں۔ حضرت خنساءؓ کے واقعہ سے جو آگے آرہا تھا اور

دوسرے واقعاتِ خواتین سے بھی اس بیان کی پوری پوری تائید ہوتی ہے۔ (طبری ۳/۲۷۸: نے جنگ بطاح کے حوالے سے یہ بیان لکھا ہے: "وکانت العرب تکرہ النساء فی الحرب و تعایرہ......"

خلافتِ فاروقی میں جہادی خواتین

سنتِ نبوی اور سنتِ خلیفۂ اول کی پیروی اور توسیع خلافتِ فاروقی میں بھی نظر آتی ہے اور کافی اہم ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ خواتین کے باب میں نسبتاً ذرا سخت تر موقف کے حامل تھے۔ وہ ازواجِ مطہراتؓ کی بیرونِ خانہ آمد و رفت اور کارکردگی کے تو قطعی مخالف تھے کہ ان کی مساجد میں حاضری اور دوسرے حوائج کے سلسلہ میں بیرون درآمد پر عہد نبوی میں بھی سخت نکیر و شدید تنقید کرتے رہے تھے اور اپنی زوجہ محترمہ اور دوسری خواتین بیت کے معاملہ میں بھی وہ اسی موقف کے حامل تھے، اگرچہ وہ سنتِ نبوی اور فرمانِ عالی کی بنا پر خواتین خانہ کو نمازوں کے لیے مسجد نبوی وغیرہ میں جانے کی اجازت عندالطلب ضرور دے دیتے تھے اگرچہ بادل نخواستہ۔ اس دینی پس منظر اور سماجی سوچ کے باوجود حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ مبارک میں خواتین عصر نے غزوات میں شرکت کی تھی۔ (بحث و مآخذ کے لیے ملاحظہ ہو: رسولِ اکرم ﷺ کے مختلف ابواب بالخصوص حجاب وزیارت خواتین سے متعلق)

خلافت فاروقی کے دو اہم ترین معرکوں جنگ قادسیہ اور جنگ یرموک میں بعض خواتین کی جہاد میں شمولیت کا واقعہ عام کتبِ تاریخ و رجال میں مشہور و مذکور ہے اور متعدد

مورخین نے اس کا ذکر بھی کیا ہے۔

جنگ قادسیہ: ۱۴/ ۶۳۵

حضرت سعد بن ابی وقاص زہریؓ جیسے عظیم صحابی اس کے غزوہ فتح کے سالار تھے اور ان کی اہلیہ حضرت سلمیٰ ان کے ساتھ اس موقع پر موجود تھیں۔ مولانا شبلی نعمانیؒ نے ان کے دو واقعات اس جنگ کے حوالے سے لکھے ہیں:

ا: ''سعد جس وقت بالا خانے پر بیٹھے فوج کو لڑا رہے تھے ان کی بی بی سلمیٰ بھی ان کے برابر بیٹھی تھی۔ ایرانیوں نے جب ہاتھیوں کو ریلا اور مسلمان پیچھے ہٹے تو سعد غصے کے مارے بے تاب ہو جاتے تھے اور بار بار کروٹیں بدلتے تھے۔ سلمیٰ یہ حالت دیکھ کر بے اختیار چلا اُٹھیں کہ آج مثنیٰ نہ ہوا۔ سعد نے اس کے منہ پر تھپڑ کھینچ مارا کہ مثنیٰ ہوتا تو کیا کر لیتا۔ سلمیٰ نے کہا: سبحان اللہ بزدلی کے ساتھ غیرت بھی۔ یہ اس بات پر طعن تھا کہ سعد لڑائی میں شریک نہ تھے۔'' (الفاروق، دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۹۳ء، ۱/ ۹۷ و مابعد: مولانا مرحوم نے دوسرے مقام پر وضاحت کی ہے کہ حضرت سعدؓ اپنی بیماری عرق النساء کی وجہ سے، جس کا عارضہ اچانک لاحق ہوا تھا، شریک جہاد نہ تھے؛ مولانا موصوف نے حضرات صحابہ وصحابیات کے اسماء گرامی کے ساتھ حضرت اور رضی اللہ عنہ/ عنہا کے سابقے اور لاحقے استعمال نہیں کیے اس کی وجہ سے صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس دور میں ان پر سخت جدیدیت یا سر سید کی عقلیت حاوی تھی؛ طبری، ۳/ ۵۳۰۔۵۳۱ و مابعد)

دوسرا واقعہ حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا کا حضرت ابو محجن ثقفیؓ کے حوالے سے مولانا

موصوف نے یوں بیان کیا ہے:

''ابومحجن ثقفی، جوایک مشہور بہادراورشاعر تھےاورجن کوشراب پینے کے جرم میں سعد نے قید کر دیا تھا، قید خانے کے دریچے سے لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھےاورشجاعت کے جوش میں بےاختیار ہوئے جاتے تھے، آخر ضبط نہ کر سکے سلمٰی (سعد کی بیوی) کے پاس گئے کہ خدا کے لیے اس وقت مجھ کو چھوڑ و، لڑائی سے جیتا بچا تو خود آ کر میں بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمٰی نے انکار کیا، یہ حسرت کے ساتھ واپس آئے اور بار بار پر درد لہجہ میں یہ اشعار پڑھتے تھے......ان اشعار نے سلمٰی کے دل پر یہ اثر کیا کہ خود آ کر بیڑیاں کاٹ دیں۔ انہوں نے فوراً اصطبل میں جا کر سعد کے گھوڑے پر جس کا نام بلقا تھا، زین کسی (کسا اصل میں) اور میدانِ جنگ میں پہنچ کر بھالے کے ہاتھ نکالتے ہوئے اس زور وشور سے حملہ کیا کہ جس طرف نکل گئے صف کی صف الٹ دی، تمام لشکر متحیر تھا کہ یہ کون بہادر ہے۔ سعد بھی حیران تھے......شام ہوئی تو ابومحجن نے قید خانے میں جا کر خود بیڑیاں پہن لیں۔ سلمٰی نے یہ تمام حالات سعد سے بیان کیئے۔ سعد نے اسی وقت ان کو رہا کر دیا اور کہا کہ خدا کی قسم مسلمانوں پر جو شخص یوں نثار ہو میں اس کو سزا نہیں دے سکتا۔ ابومحجن نے کہا: بخدا میں بھی آج سے پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔''

طبری کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو محجن ثقفیؓ حضرت سعد کی اُم ولد حضرت زبراءؓ کی نگرانی میں تھے اور انہوں نے ان کو قید سے نکالا تھا۔ (الفاروق، ۹۹ بحوالہ کتاب الخراج قاضی ابویوسف ص ۱۸؛ ابن اثیر، اسد الغابہ، طہران طباعت ۵/۲۹۰۔۲۹۵؛

نام میں اختلاف ہے کہ عمرو تھا یا مالک یا عبداللہ بہر حال وہ حبیب ثقفی کے فرزند تھے اور ابو محجن ثقفی کی کنیت سے مشہور۔ رمضان ۹/ ۶۳۱ میں وفد ثقیف میں حاضر ہو کر اسلام لائے، کریم جواد، شاعر اور راوی حدیث بھی ہیں۔ آذربائیجان/ جرجان کی فتوحات کے دوران وفات پائی۔ جنگ قادسیہ میں شجاعت کا واقعہ بھی لکھا ہے اور بعض چیزیں بھی۔ طبری ۳/ ۵۷۵ ومابعد۔ اسد الغابہ، کتاب النساء پنجم میں متعدد سلمٰی نامی خواتین کا ذکر ہے لیکن حضرت سعد بن ابی وقاص کی زوجہ کی تصریح کشی میں نہیں طبری ۳/ ۵۳۰ ومابعد، حضرت ابو محجن ثقفیؓ کی قید کا ذکر بھی ہے اور متعدد دوسرے واقعات کا بھی، جن میں حضرت سلمٰی بنت ثقفہ کے حضرت ابو محجن ثقفی کے آزاد کرنے کا واقعہ یوم اغواث کے معرکہ کے حوالے سے ہے: ۳/ ۵۴۸۔ ۵۷۰۔ حضرت سعد نے حضرت سلمٰی سے ۱۴/ ۶۳۵ میں شادی کی تھی)

طبری نے ایک روایت میں بیان کیا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص زہریؓ نے سنہ ۱۴/ ۶۳۵ میں حضرت سلمٰی بنت حضفہ تیمی/ تیم اللات سے شادی کی تھی۔ ایسا غالباً جنگ قادسیہ سے قبل کسی موقع پر مگر اسی زمانے میں ہوا تھا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانیؓ کے بھائی حضرت معنّی بن حارثہ شیبانیؓ حضرت سلمٰی بنت حضفہ تیمیہ کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص زہری کے لیے جنگی وصیت لے کر گئے تھے۔ ان کے قدوم وکارکردگی کا واضح ذکر ملتا ہے۔ وہ اس دوران دوسری خواتین کے ساتھ میدانِ جنگ اور خیمہ وخرگاہ میں موجود رہی تھیں اور شاندار خدمات انجام دیتی رہی تھیں۔ (طبری ۳/ ۴۸۹ وغیرہ: اس میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت سعدؓ کے درمیان بھی خط وکتابت ورہدایات ووصایا کا ذکر ہے)

جنگِ قادسیہ وغیرہ کے لیے افواج بالخصوص بدوی قبائلِ عرب کی افواج بھیجنے کے لیے حضرت عمر فاروقؓ نے ان کے مختلف عساکر/معسکر کا دورہ کر کے ان کو آمادۂ جہاد وقتال کیا تھا۔ طبری نے اپنی مختلف روایات میں ان کی تعداد بھی لکھی ہے اور ان میں سب سے اہم اطلاع یہ ہے کہ ان کے مقاتلین کے ساتھ ان کی اولادیں اور عورتیں (ذراریھم و نساؤھم) بھی ہوتی تھیں۔ بالعموم یہ قبائلِ عرب اور دوسرے شہری مقاتلین بھی اپنے خاندانوں اور عورتوں کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ اہل یمن وغیرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ ان کو عراق کے محاذ پر یا شامی محاذ پر بھیجنا چاہتے تھے مگر وہ اپنی طرف سے مختلف محاذوں پر جانا چاہتے تھے۔ بہر حال تصفیہ یوں ہوا کہ ان کے نصف مجاہدین معہ خواتین واولاد عراقی محاذ پر گئے اور نصف نے شام کی محاذوں کا رُخ کیا۔ ایک اور روایت کے مطابق جنگ، قادسیہ کے ایک معرکہ ''یوم القادسیۃ'' کے دن تمام عرب قبائل میں سب سے زیادہ عورتیں قبائلِ بجیلہ اور نخع میں تھیں جن کی تعداد بالترتیب ایک ہزار اور سات سو تھی۔ بجلی خواتین ہزارہ نے عرب خاندانوں میں شادی کی اور اسی طرح نخعی خواتین نے بھی اسی بنا پر نخع کو مہاجرین کا سسرالی (اصہار المہاجرین) کہا جاتا تھا۔ طبری نے وضاحت کی ہے کہ ان قبائلِ عرب کو اپنے تمام مال ومنال اور اولاد وخواتین کے ساتھ انتقال/ہجرت پر حضرت خالد کی فوج کشی (توطئۃ) نے آمادہ کیا تھا اور ان کے بعد مثنیٰ اور مثنیٰ کے بعد حضرت ابوعبید ثقفی وغیرہ کی مہمات نے۔ قبائلِ عرب کی سب سے بڑی ہجرت ان ہی اسلامی فتوحات کے ضمن میں ہوئی تھی جو ایک خاص تحقیق کا موضوع ہے۔ (طبری ۳/۴۸۴ومابعد؛ ۵۸۵ومابعد)

شادی بیاہ اور نکاح وزواج دورانِ مہمات وغزوات غالباً عربوں کی ایک سماجی مسلمہ ریت تھی۔ عہدِ جاہلی میں متعدد اکابر وشیوخ کے شادی بیاہ کے واقعات ملتے ہیں اور غزوات کے دوران نکاحِ نبوی کے واقعات مشہور ہیں۔ حضرت خالد بن ولید مخزومیؓ کے ردّہ جنگوں اور فتوحات کے دوران نکاحوں اور شادیوں کی ایک طویل فہرست ملتی ہے۔ خاص اسی روایتِ سماجی عربی کے مطابق جنگِ قادسیہ وغیرہ کے دوران متعدد صحابہ کرام اور شیوخِ عرب نے نکاح کئے تھے جیسا کی بجیلہ ونخع قبائل کے ضمن میں ان کی ازدواجی روایات و اقدار کا حوالہ آچکا ہے۔

جنگِ قادسیہ کے دوران یا اس کے بعد یا اس کے قبل ان نکاحوں اور شادیوں کا ذکر بھی روایات میں آتا ہے۔ ان میں مفتوح شیوخ وقبائل کی عورتوں سے بھی شادی بیاہ کے تعلقات شامل ہیں اور باہم مسلمان قبائل اور ان کے شیوخ کے ازدواجی روابط بھی۔ ان میں شاید سب سے اہم صحابہ کرام کی شادیاں اور ان کے واقعات ہیں جیسے:

تین صحابہ کرام حضرات بُکَیر بن عبداللہ لیثی، عتبہ بن فرقد سُلمی اور سماک بن خرشہ انصاری رضی اللہ عنہم نے خاص معرکہ یوم القادسیہ میں ایک ہلالی خاتون اروىٰ بنت عامر ہلالی سے شادی کا پیغام دیا۔ خاتونِ مذکورہ انتخابِ زوج سے قاصر رہیں تو اپنی بہن حضرت هُنَیدہ بنت عامر ہلالی سے جو حضرت قعقاع بن عمرو تمیمیؓ کی زوجہ تھیں مشورہ کیا اور ان کے مشورے سے شوہر کا انتخاب کیا۔ (حضرت قعقاعؓ مشہور فاتح، امیر اور صحابی تھے: اصابہ: ۷۱۲۹؛ حضرت بکیر کے والد کا نام اصابہ وغیرہ میں مختلف ہے: اس: ۷۲۸: بکیر بن شداخ /

شداد لیثی ؛ حضرت سماک بن خرشہ انصاری حضرت ابودجانہ کے علاوہ دوسرے صحابی تھے اور فتوح الری میں مشہور ہوئے ؛ اصابہ: ۱۳۴۶۵ ؛ عتبہ بن فرقد سلمی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی اور عظیم فاتح وامیر جیش تھے)

......صحابی جلیل حضرت جابر بن عبداللہ انصاری خزرجیؓ کا بیان ہے کہ میں حضرت سعدؓ کے ساتھ قادسیہ میں شریک تھا۔ ہم کو مسلمان عورتیں زیادہ دستیاب نہ تھیں لہٰذا ہم نے اہل کتاب کی عورتوں سے شادی کی تھی۔ وہاں سے واپسی پر ہم بہت سوں نے اپنی عیسائی بیویوں کو طلاق دے دی اور بہت سوں نے اپنی شادی برقرار رکھی اور ان کو اپنے ساتھ دوسرے محاذوں یا اپنے گھروں میں لے گئے۔ یہ بھی ایک دوسری سماجی روایت وریت تھی۔

(طبری ۳/ ۵۸۱ ومابعد اور ۳/ ۵۸۸ ومابعد بالترتیب ؛ بہر حال طبری نے ان روایات بالخصوص اول الذکر کے ضمن میں شادی کا ذکر کرتے ہوئے ایک اہم جملہ یہ لکھا ہے کہ لوگوں کے ساتھ ان کی عورتیں بھی ہوتی تھیں: ''**وكان مع الناس نساؤهم**......'')

اسی جنگِ قادسیہ میں ایک اور عظیم خاتون، شاعرہ مشہورہ اور صحابیہ جلیلہ حضرت خنساءؓ کی موجودگی ملتی ہے۔ مولانا شبلیؒ نے ان کا واقعہ بھی لکھا ہے کہ ''خنساء، جو عرب کی مشہور شاعرہ تھی، اس معرکے میں شریک تھی اور اس کے چاروں بیٹے بھی ساتھ تھے، لڑائی جب شروع ہوئی تو اس نے بیٹوں کو طرفِ خطاب کیا اور کہا: پیارے بیٹو، تم اپنے ملک کو دوبھر نہ تھے، نہ تم پر قحط پڑا تھا، باوجود اس کے تم اپنی کہن سال ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈال دیا۔ خدا کی قسم! جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو اسی طرح ایک باپ کے بھی ہو، میں

نے تمہارے باپ سے بد دیانتی نہیں کی نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا، لو جاؤ اور اخیر تک لڑو‘‘ بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جب نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو خنساء نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا: خدایا! میرے بیٹوں کو بچانا......‘‘ (الفاروق، ۹۹۔۱۰۰ بحوالہ ابوالفرج اصفہانی، کتاب الاغانی، دیوانِ خنساء بیروت طباعت: مفصل حاشیہ۲؛ مولانا موصوف نے ان کو تابعین میں شمار کیا ہے کہ ’’وہ اسلام بھی لائی اور حضرت عمرؓ کے دربار میں حاضر ہوئی تھی......‘‘، ابن اثیر، اسد الغابہ ۵......۴۴۱۔۴۴۲؛ اسمِ گرامی تھا: خنساء بنت عمرو بن شرید سلمی، قبیلہ بنو سلیم سے تھیں۔ اپنے قوم وفد میں خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر اسلام لائی تھیں اور صحابیہ تھیں۔ رسولِ اکرم ﷺ ان کے اشعار سنتے اور پسند فرماتے تھے شروع میں عام شاعری کرتی تھیں۔ اپنے دو بھائیوں معاویہ اور صخر کی موت کے بعد مراثی کثرت سے کہے اور ’’ارثی العرب‘‘ کہلائیں۔ چاروں فرزند معرکۂ قادسیہ میں شہید ہوئے اور ان کی شہادت پر کمال صبر کیا۔ حضرت عمرؓ نے ان کی تعریف کی اور ان کے فرزندوں کے ارزاق ان کو تا عمر دیتے رہے۔ حضرت خنساء کی فوجی خدمات پر ایک خاص تحقیقی مضمون لکھا جا سکتا ہے)

میدانِ جنگ کے باہر خواتینِ اسلام نے اپنے دوسرے فرائض انجام دیئے تھے جو کھانا پکانے، مریضوں کی تیمارداری کرنے اور زخمیوں کی دیکھ بھال اور علاج کرنے پر مشتمل تھے۔ ان میں سب سے زیادہ غمناک والمناک فریضہ قبورِ شہداء کھودنے اور ان کے دفن کرنے کا تھا۔ طبری نے مختلف روایات کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جنگِ قادسیہ کے

پہلے دو دنوں یوم الاماث و یوم اغواث میں ڈھائی ہزار شہیدوں کے لیے اور لیلۃ الھریر اور یوم القادسیہ میں چھ ہزار شہیدوں کی قبریں خواتین اور بچوں لڑکوں نے کھودی تھیں۔ اس سے قبل حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جاں بلب زخمیوں کو، جن کو الرثیث کہا ہے، عورتوں کے حوالے کرتے تھے اور وہ ان کی دوا دارو اور تیمار داری کرتی تھیں۔ ان کے بہت سے واقعات دوسرے معرکوں کے حوالوں سے بھی آتے ہیں۔ (طبری ۳/۵۴۲-۵۵۰ اور خاص کر ۳/۵۶۴)

جنگِ یرموک: ۱۵/۶۳۶

مشرقی یا ایرانی محاذ پر جس طرح جنگِ قادسیہ اسلامی فتوحات کی ایک عظیم الشان فتح اور پورے ایران کی فتح کامل کی کلید ثابت ہوئی اسی طرح شمالی/شامی محاذ پر جنگ یرموک نے چند ماہ بعد شام کی فتح کامل کا دروازہ کھولا۔ خلافتِ فاروقی کی فتوحات میں ان دونوں جنگوں کو عظیم ترین سنگِ میل کی حیثیت مختلف وجوہ و اسباب سے حاصل تھی۔ بقول مولانا شبلی نعمانیؒ ''اس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ عورتیں بھی اس میں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں امیر معاویہؓ کی ماں ہند حملہ کرتی ہوئی بڑھتی تھیں تو پکارتی تھیں: ''**عضدوا لغلفان بسیوفکم**'' امیرِ معاویہ کی بہن جویریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی......''

''غرض عیسائیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا اور تیروں کا مینھ برساتے بڑھے، مسلمان دیر تک ثابت قدم رہے لیکن حملہ اس قدر سخت تھا کہ مسلمانوں کا میمنہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہو گیا اور نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا۔ ہزیمت یافتہ ہٹتے ہٹتے حرم کے خیمہ گاہ تک

آ گئے، عورتوں کو یہ حالت دیکھ کر سخت غصہ آیا اور خیمہ کی چوبیں اکھاڑ لیں پکاریں کہ نامردو! ادھر آئے تو چوبوں سے تمہارا سر توڑ دیں گے۔ خولہ یہ اشعار پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلاتی تھیں......'' مولانا شبلی کے بقول حضرت معاذ بن جبل خزرجی اور ان کے فرزند گرامی اور قبیلہ زبید وازد کے لڑاکو نے معرکہ کا رخ پلٹ دیا۔ (الفاروق، ۱۳۵۔۱۳۶ وما بعد بحوالہ تاریخ طبری واقعہ یرموک؛ عورتیں صرف اسی معرکہ میں شریک نہ تھیں، ہر معرکہ میں شامل رہی تھیں۔

حضرت ہند بنت عتبہ بن ربیعہ زوجہ حضرت ابوسفیان بن حرب امویؓ کے ساتھ جنگ یرموک میں شریک تھیں، ان کا واقعہ وسوانح ابن اثیر، اسد الغابہ ۵/۵۶۲۔۵۶۳ میں موجود ہے۔

مگر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا، خواہر حضرت معاویہؓ کا ذکرِ خیر اسد الغابہ میں جویریہ نامی خواتین کے باب میں ملتا ہے۔ طبری ۳/۴۰۱ میں ہے کہ حضرت جویریہ بنت ابی سفیان ایک گروہ کے ساتھ حملہ آور ہوئیں اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ تھیں اور جنگ میں شدید زخمی ہوئیں۔ اسی طرح خولہؓ نامی متعدد خواتین/صحابیات سے مذکورہ بالا کی جنگِ یرموک میں شرکت کی صراحت اسد الغابہ میں نہیں ہے۔

بہر حال مولانا مرحوم کے بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ متعدد خواتین اس واقعہ میں شریک تھیں اور نہ صرف شریک تھیں بلکہ جہاد وقتال میں بھی حصہ لیا تھا۔ اس کے علاوہ فوجِ اسلامی کو غیرت دلانے اور جوش وتحریض کا نسائی کام کرنے کا فریضہ بھی انجام دیا تھا۔ طبری ۳/۴۰۱: ''......ان النساء قاتلن یوم الیرموک فی جولة، فخرجت جویریة بنت ابی سفیان فی جولة وکانت مع زوجها (واصیبت) بعد قتال شدید،

واصیبت یومئذ عین ابی سفیان، فأخرج السهم من عینه ابو حثمة.“

دیگر معرکوں میں خواتین

جنگِ عیسان کے دوران مسلم فوج پر عیسائی افواج کے سخت دباؤ کے باعث حالات تشویشناک تھے۔مخالف فوجوں نے مسلم لشکر کی قلتِ تعداد دیکھ کر سخت حملے کیے اور مسلم سپاہ اور کمانداروں کو مشکل میں ڈال دیا۔خیمہ وخرگاہ میں موجود مسلم عورتوں نے صورتِ حال کی ابتری بھانپ لی اور اپنے مرد مجاہدین کی امداد کی ترکیبیں سوچنے لگیں۔ان میں ایک ذہین و فطین خاتون حضرت ازدہ بنت حارث بن کلدہ بھی تھیں۔انہوں نے اپنی ساتھی تمام عورتوں کے دوپٹوں کے رایات (پرچم) بنائے اور ان کو پھیراتے ہوئے مسلم فوج میں آملیں۔دور سے فریق مخالف نے یہ سمجھا کہ مسلم فوج کے لیے امدادی کمک آگئی ہے اور وہ پسپائی پر مجبور ہوگئے۔حضرت ازدہ ایک کماندار حضرت شبلی بن معبد کلبی کی اہلیہ تھیں اور ان کی بہن صفیہ حضرت عتبہ بن غزوان کی۔ان دونوں خواتین کا ذکر طبری نے بطور خاص کیا ہے۔

(طبری،۳/۵۹۶۔۵۹۷؛اسد الغابہ ۳/؛اصابہ:۵۴۱۳ اور استیعاب ۷/۵۔۸ کے مطابق حضرت عتبہ بن غزوان مازنی انصاری علاقہ عیسائی کے فاتح تھے اور وہ بصرہ کے امیر فاروقی بھی تھے۔۱۵یا۱۷۔۶۳۶ یا ۶۳۸ میں ربذہ میں وفات پائی۔حضرت شبل بن معبد کلبی کی جگہ ان کے ہم نامی مزنی/بجلی کا ذکر اسد الغابہ میں ہے ان دونوں کی ازواج کا شمار صحابیات میں نہیں کیا گیا ہے کہ کسی بھی معجم صحابہ میں ان کا ذکر نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ بالا دوسری خواتین کا معاملہ ہے۔بلاذری،فتوح البلدان،۴۷۹ کے مطابق حضرت عتبہ کی اہلیہ

حضرت ازدہ بنت حارث بن کلدہ مدینۃ الفرات کی جنگ میں لوگوں کو جہاد پر ابھارتی تھیں: "**فجعلت امراته ازدة تحرض الناس على القتال...... الخ**"

حضرت اُم حکیم بنت حارث بن ہشام مخزومی قرشی رضی اللہ عنہا ایک جلیل القدر صحابیہ تھیں۔ وہ حضرت خالدؓ بن ولید مخزومی کی بہن حضرت فاطمہؓ بنت ولید مخزومی کی اہلیہ تھیں۔ اپنے شوہر کو اسلام میں داخل کرنے والی اور جوار دلوانے والی وہی تھیں۔ انہوں نے حضرت عکرمہؓ کی وفات ۱۳/۶۳۴ کے بعد ایک دوسرے جلیل القدر صحابی حضرت خالد بن سعید امویؓ نے مرج الصفر / دمشق کے معرکہ کے دوران شادی کر لی۔ شوہر نے وہاں شب زفاف منانی چاہی مگر حضرت اُم حکیمؓ نے فتح کے بعد کا مشورہ دیا۔ حضرت خالدؓ کا خیال تھا کہ وہ اس معرکہ میں شہادت پائیں گے لہٰذا اس سے قبل شادکام ہونا چاہتے تھے۔ حضرت اُم حکیمؓ نے ان کی خواہش کا خیال کیا اور قنطرہ (پل) صفر کے پاس شب زفاف منائی۔ وہ "قنطرہ ام حکیم" کے نام سے صرف اسی اسلامی طریقہ اور ولیمہ کے بعد مشہور ہو گیا۔ حضرت خالدؓ اس جنگ میں سچ مچ شہید ہو گئے۔ تاہم عروسِ نو اور بیوۂ نو نے اسی جنگ میں مجاہدانہ حصہ لیا اور اپنے خیمہ کی عمود (لکڑیوں) سے سات دشمنوں کو مارا۔ (بلاذری فتوح البلدان، ۱۶۲، نے اس واقعہ کو خاص طور سے بیان کیا ہے۔ اس میں ان کے قتال اور مواقع کا ذکر بہت اہمیت کے ساتھ کیا ہے: اسد الغابہ ۵/۷۷۵؛ حضرات عکرمہ اور خالد اموی کے بالترتیب اصابہ: ۵۶۴۰، اصابہ؛ ۲۱۶۷ اور اسد الغابہ میں متعلقہ)

خلافتِ عثمانی میں فتوحات کا دائرہ اور بھی وسیع ہو گیا تھا اور حضرات شیخین کی پالیسی

بھی جاری رہی۔ مشرق میں ایران کی فتح کی تکمیل اسی دور میں ہوئی اور اس کے مشرق میں واقع عظیم و وسیع خطہ خراسان کی فتح بھی حاصل ہوئی۔ خراسان کے مشرق جنوب و شمال میں ترکستان کے عظیم ترین اور وسیع ترین خطہ کی فتوحات کا آغاز بھی اسی زمانے میں ہوا جب اسلامی فوج کے قدم سرحدِ چین اور سرہند و افغانستان وغیرہ سے مشرق میں جا ملے۔ شمال میں رومی / بازنطینی علاقوں بالخصوص شام اور ترکی کے درمیان کے خطوں میں فوجی کارروائیوں کا عظیم سلسلہ جاری رہا۔ مغربی محاذ میں مصر کی کامل فتح کے بعد افریقہ کے وسیع و عریض خطے اور دور دراز علاقے میں امراء و فاتحین عثمانی نے ہی فتح و افتخار کے جھنڈے گاڑے تھے اور بحر روم میں اولین اسلامی بحریہ نے حضرت امیر معاویہ کی قیادت میں فتوحات حاصل کیں تھیں اور خاص سرزمین یورپ میں اندلس پر اولین حملہ اور فتح اسی زمانے میں حاصل کیا گیا تھا۔ ان سب میں خواتین حسبِ دستور شامل تھیں۔ (طبری ۴/ ۲۴۶ وما بعد: وفات حضرت عمر اور خلافت عثمانی کے آغاز میں کوفہ وغیرہ کے فوجی خیمہ گاہوں اور ان میں مسلم سپاہ کی تعداد کا ذکر کیا ہے)

اولین دو ادوارِ خلافتِ راشدہ ......صدیقی و فاروقی...... کی مانند تمام محاذوں پر مسلم افواج موجود تھیں۔ اور ان میں ان افواج، سپاہ، اور کمانڈروں اور شامل عرب قبائل کی خواتین کی شرکت اب ثابت شدہ اور مسلمہ ہے۔ افواج کی پیش قدمی، خیمہ زنی اور فاتحانہ کوششوں میں مرد، مجاہدین کے ساتھ ساتھ نسائی مجاہدات بھی شامل تھیں۔ گزشتہ روایات و اخبار و احادیث کے علاوہ خاص اس دورِ مبارک کی روایات و اخبار و احادیث ان میں

مجاہدات کی موجودگی، کارکردگی اور جاں نثاری کے واقعات اولین دوخلافتوں کے مانند برابر بیان کرتی ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر آتا ہے۔

خلافتِ عثمانی کی فتوحات وغزوات کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ایک اہم واقعہ بحری فوج کی کارروائی کی بشارت وپیشین گوئی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح میں ملتی ہے کہ اولین بحری فوج کے تمام شرکاء جنتی ہیں حسب معمول مفسرین وشارحین نے اختلافِ تعبیر اور اختلافِ اطلاق کا دروازہ کھولا ہے کہ اولین بحریہ کا غزوہ خلافتِ عثمانی کے زمانے کا ہے یا خلافتِ معاویہؓ کے دور کا۔ بہرحال مورخین اور اہل سیرت کا اجماع ہے کہ اولین بحریہ حضرت عثمان بن عفان امویؓ (۲۴/۶۴۴-۳۵/۶۵۶) کے زمانۂ مبارک میں وجود میں آئی اور اس کے اولین امیر البحر حضرت معاویہ تھے۔ (طبری ۴/۲۶۰ ومابعد وغیرہ: ''اول من غزا البحر معاویة بن ابی سفیان زمان عثمان بن عفان...... الخ)

خلافتِ عثمانیہ کے غزوات میں خواتین کی شرکت

احادیث نبوی بالخصوص حدیثِ غزوۂ روم کے مختلف متونِ بخاری ومسلم وموطا وغیرہ میں اس حقیقت کا واضح ذکر ملتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اپنے عہد میں خواتین اسلام کی شرکتِ جہاد کو پسند فرمایا بلکہ خلافتِ اسلامی کے ادوار کے غزوات وجہاد میں ان کو شریک ہونے کی تحریک دی۔ اس کی شہادت حضرت اُم حرام بنت ملحان خزرجی رضی اللہ عنہا کی متعدد احادیثِ غزوۂ روم سے ملتی ہے۔ اس کے اہم نکات حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ حدیث بخاری ۔۲۷۸۸۔۲۷۸۹ اور ان کے متعدد اطراف سے ثابت ہوتا ہے

کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ام بنت ملحانؓ کے گھر میں ایک ہی دن میں دو رویائے صالحہ دیکھے تو ان کے بیان کے بعد حضرت ام حرامؓ نے ان میں اپنی شرکت وشمولیت کی دُعا رسول اکرم ﷺ سے کرائی اور آپ ﷺ نے نہ صرف ان کے لیے دُعا کی بلکہ یہ بھی پیشگوئی فرمائی کہ وہ خلافتِ عثمان و امارت معاویہؓ کے دوران ہونے والے غزواتِ روم میں سے اولین میں شریک وشہید ہوں گی اور واقعہ بھی ایسا ہی ہوا۔ رسولِ اکرم ﷺ ان کو یہ کہہ کر روک سکتے تھے کہ خواتین کا غزواتِ مابعد میں جانا ضروری نہیں، لیکن آپ ﷺ نے روکنے کے بجائے ان کو شرکتِ جہاد کی تحریک دی۔ دوسری حدیث بخاری۔۲۷۹۹۔۲۸۰۰ کے مطابق یہ اولین اسلامی بحری جہاد تھا جس میں وہ شریک تھیں۔

۲۔حضرت ام حرام بنت ملحانؓ کی غزواتِ روم کی احادیث شریفہ اتنی مشہور اور شائع و ذائع تھیں کہ خلافتِ اسلامی کے اس دورِ مبارک میں بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام کے ساتھ متعدد صحابیاتِ طاہرات بھی شریک ہوئیں امام بخاریؒ کی اپنی خاص سند اور روایت پر، جو امام مالکؒ کی موطا کی روایت کے علاوہ ہے، یہ اضافہ ملتا ہے کہ بقول راوی گرامی حضرت اُم حرام بنت حرام خزرجیؓ ''بنت قرظہ'' کے ساتھ اس اولین بحری اسلامی جہاد میں شریک ہوئی تھیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی شرحِ حدیث میں وضاحت کی ہے کہ

......''بنت قرظہ'' حضرت معاویہؓ کی بیوی تھیں:''ھی زوج معاویہ''

......ان کا نام فاختہ تھا اور بروایتِ مجروح ''کنوذ'' بھی بتایا گیا ہے:''وامھا فاختۃ

وقیل کنود“

(عثمان ذوالنورین، ۱۱۳، بحوالہ کامل ۳/ ۱۳۱: صرف حضرت عاتکہ بنت قریظہ یا فاختہ زوجہ معاویہؓ کا ذکر ہے۔ حضرت ام حرام کا نہیں ہے، قریظہ دراصل قرظہ کی تصحیف ہے یا کتابت کی غلطی۔)

سنہ ۲۸/ ۶۴۹ میں بحر روم میں واقع جزیزہ قبرس کی فتح کے ضمن میں بلاذری نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے امیر شام وامیر البحر کو اس پر حملہ کرنے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی تھی کہ حضرت معاویہؓ اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے جائیں گے اور کسی شخص کو بھی بحری جہاد میں شرکت پر مجبور نہیں کریں گے۔ حضرت معاویہؓ نے ان شروط کی تعمیل کی اور اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ گئے۔

روایات واخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد دوسرے صحابہ کرام اور امراء وسپاہ بھی اپنی خواتین کو ساتھ اس مہم پر لے گئے تھے۔ حضرت اُم حرامؓ بنت ملحان اور ان کے شوہر حضرت عبادہ بن صامتؓ اسی اولین غزوہ بحری میں شریک تھے اور حضرت اُم حرام اسی میں شہید ہوئیں۔ صرف اس جزیزہ کی فتح مقصود نہ تھی بلکہ اس پر قبضہ کر کے اسے اسلامی خلافت کا ایک صوبہ/ عمالہ بنانا بھی مقصود تھا اور اس سپاہ کے ساتھ خواتین بھی ساتھ ہونی ضرور تھیں کیونکہ فتوحات میں بالعموم اور فتوح کے بعد قبضہ وامارت کے معاملہ میں بالخصوص مفتوحہ علاقے مسلم آبادی لسانی ایک اسلامی ضرورت اور حکومت کی پالیسی تھی اور اس مسلم آبادی میں خواتین کا حصہ بھی وافر ہوتا تھا۔ مستشرقین بالعموم قبرص پر اسلامی قبضہ کی روایات کو

مشکوک قرار دیتے ہیں اور اسماء و واقعات مسخ کرتے ہیں جیسے حضرت عبادہؓ کو عبیدہ بن ثابت بنا دیا ہے۔

(بلاذری، فتوح البلدان، ص ۲۳۵ بحوالہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی، عثمان ذوالنورین، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۸۳ء ۱۰۵؛ حضرت ام حرامؓ بنت ملحان کی شہادت کا واقعہ متعدد احادیث بخاری وغیرہ میں مذکور ہے۔ ان کی قبر جزیزہ قبرص ہی میں ابھی تک موجود ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: سید احمد علی عباسی، امیر المؤمنین معاویہؓ، کراچی ۱۹۸۷ء، ۱۹۴؛ مقالہ ''قبرص'' اردو دائرۂ معارف اسلامیہ از ہارٹ مین وغیرہ)

خلافتِ عثمان کے دوران ہی بعض روایات کے مطابق جزیزہ ارواد اور جزیرہ رہوڈس بھی فتح کیے گئے۔ بعض نے ان کی فتح کا سہرا حضرت معاویہؓ کے خلافت کے زمانہ کے سر باندھا ہے۔ بہرحال ہمارے موجودہ مطالعہ کے پیش نظر اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ ان دونوں جزیروں کو بھی مسلمانوں نے آباد کیا وران میں اپنی بستیاں بسائیں جن میں عورتیں شامل تھیں۔ (عثمان ذوالنورین، ۱۰۵۔۱۰۸ بحوالہ ابن اعثم کوفی، کتاب الفتوح ۲/ ۱۲۷؛ بلاذری، فتوح البلدان ۱/ ۲۰۷، یاقوت حموی، معجم البلدان، ذکر رہوڈس وغیرہ۔

بطری ۴/ ۲۵۸ و مابعد نے متعدد صحابہ کرام کی شرکت کا ذکر کیا ہے جن میں حضرت عبادہؓ بن صامت اپنی اہلیہ حضرت اُم حرامؓ کے ساتھ شریک تھے۔ طبری نے اس ضمن میں متعدد مسلم خواتین کا ذکر کیا ہے۔

طبری نے حضرت معاویہؓ کے معاہدہ کی ایک شق یہ بھی لکھی ہے کہ وہ رومی دشمنوں میں

ہماری اجازت کے بغیر شادی نہیں کریں گے۔۴/۲۶۳؛ طبری ۵/۲۹۳ نے حضرت تبیع کو حضرت کعب کی اہلیہ کا فرزند بتایا ہے اور ارواد میں ان کے کارناموں کا حوالہ دیا ہے۔

بہر حال ان جزائر کی اسلامی فتوحات کے بعد ان میں فاتحین وشہداء دونوں نے اسلامی بستیاں بسائیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اسلامی آبادکاروں کو مختلف سیاسی اور فوجی اسباب کی بنا پر جزیزۂ قبرص وغیرہ کو خالی کرنا بھی پڑا مگر اس وجہ سے کامل انخلا کبھی نہیں ہوا۔ بلاذری کے مطابق ۶۵۴/۲۲ کی دوسری مہم کے بعد وہاں مسلمان آباد ہوئے اور اشاعت اسلام کا آغاز ہوا''

شہداء کی قبریں ہمیشہ موجود رہیں اور مرجع خلائق بھی بنی رہیں۔ مقالہ نگار مذکور کو بھی اعتراف ہے کہ حضرت اُم حرامؓ کا مزار لارنقہ Laranca کے قریب آج بھی خاص تقدیس اور تعظیم کی نظر سے دیکھا جاتا ہے'' (بحوالہ جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۹۷ء، ۸۱۔۱۰۱ نیز بلاذری، ۲۰۹: ''...... **فقبرها بقبرس يدعى قبر المرأة الصالحة......**'' اس غزوہ میں متعدد صحابہ کرامؓ کے اسماء گرامی بہت اہم ہیں)

سنہ ۲۴/ ۶۴۵ کے واقعات میں طبری نے آرمینیہ پر اہل شام کے ایک حملہ اور موریان رومی سالار کے مقابلہ کا ذکر کرتے ہوئے تفصیلاتِ فتح لکھی ہیں۔ ان میں یہ بیان بھی ہے کہ مسلم سالار حضرت حبیب بن مسلمہ فہریؓ نے امدادی فوج کے آنے سے قبل ہی موریان رومی پر شب خون مارنے کا فیصلہ کیا جس کو ان کی اہلیہ حضرت اُم عبداللہؓ بنت یزید کلابی نے سن لیا اور اپنے شوہر سے بحث کی۔ بہر حال اس شب خون مارا اور ان کے خیمہ گاہ کے

سپاہیوں کوقتل کر دیا اور جب وہ ''سرادقِ موریان'' میں پہنچے تو ان کی اہلیہ وہاں پہلے ہی پہنچ چکی تھیں اور طبری کے بقول وہ اولین عرب خاتون تھیں جن کے لیے شامیانے (سرادق) نصب کیے گئے۔ان کے شوہر کی وفات ہوگئی تو انہوں نے حضرت ضحاکؓ بن قیس فہری سے شادی کرلی اوران کی اولاد کی ماں بنیں۔

(طبری ۴/ ۲۴۸۔۲۴۹: حضرت حبیبؓ بن مسلمہ فہری م۴۲/۶۶۲، عظیم سالار، فاتح اور صحابی تھے: اصابہ: ۱۶۰۰ حضرت ضحاکؓ بن قیس فہری م۶۴/۶۶۴ بھی صحابی تھے اور امیر و سالار اور فاتح و سپہ سالار تھے۔ :اصابہ: ۴۱۶۹ حضرت اُم عبداللہ بنت یزید کلابی کا ذکر صحابیات میں نہیں کیا گیا ہے۔)

مضیق القسطنطنیہ (تنگنائے قسطنطنیہ) کے غزوہ میں ۳۲/۶۵۲ کے سال حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان امویؓ نے امیر البحر کی حیثیت سے ایک دوسرا بحری حملہ رومی زمین/سمندر پر کیا اور اس میں ان کی اہلیہ عاتکہ بنت قرظہ بن عبد عمرو نوفلیؓ ساتھ تھیں۔ان کا دوسرا نام بروایت مجروح فاختہ بتایا گیا ہے۔وہ اس سے قبل جزیزہ قبرس/قبرص کے معرکہ میں بھی ان کے ساتھ گئی تھیں جن انکی رفاقت مشہور صحابیہ حضرت اُم حرام بنت ملحانؓ کے ساتھ رہی تھی۔

(طبری ۴/۳۰۴ کا بیانِ معرکہ/غزوہ بہت مختصر ہے۔اس کا قوی امکان ہے کہ ان دونوں کے علاوہ متعدد دوسری خواتین بھی شامل تھیں)

خلافت حضرت علی بن ابی طالب ہاشمیؓ (۳۵/۶۵۶۔۴۰/۶۶۰) کے دوران اگرچہ غیر مسلموں کے خلاف غزوات ومحاربات نہیں ہوئے تاہم مسلم خانہ جنگی کے واقعاتِ جمل

اور صفین بھی جنگی اور فوجی معرکے ہی تھے۔ ان میں مجاہدینِ اسلام نے شہادت عثمان خلیفۂ سوم کا قصاص لینے کی کوشش کی اور قاتلین خلیفہ نے جنگیں برپا کرنے کی سعی کی۔ ان میں بھی مجاہداتِ اسلام کی موجودگی ملتی ہے۔ جو جہاد و غزوہ اسلامی کے ایک خاص زاویے اور خاص جہت کو ظاہر کرتی ہے۔ ان میں سب سے اہم واقعہ جمل ہے جس کی کمان اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ میں تھی اور ان کے معاونین وسالاروں میں حضرات طلحہ بن عبید اللہ تیمیؓ اور زبیر بن العوام اسدیؓ جیسے صحابہ کرامؓ شامل تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس تحریک و جہاد میں شرکت کی تعبیر وتشریح کچھ بھی کی جائے یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ وہ ایک عظیم اسلامی فوج کی سالار تھیں اور ان کے ساتھ بہت سی دوسری خواتین اور صحابیات شامل تھیں اور شاید برسرِ پیکار بھی رہی تھیں۔ بالعموم ان کے واقعات نہیں ملتے۔

(طبری ۴/ ۴۵۸۔۵۴۴ و مابعد: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جس دن اپنی مہم پر روانہ ہوئیں امہات المؤمنین نے ذاتِ عرق نامی مقام تک ان کی مشایعت کی تھی۔ حضرت اُم المؤمنینؓ نے مکہ سے بصرہ کی طرف کوچ فرمایا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان کے ساتھ سفر میں بھی خواتین تھیں۔ حضرت عائشہؓ سے متعدد خواتین کے کلام اور بحث ومباحثہ کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت بھیجی تھی: ۴/ ۵۱۰)

اسی طرح واقعۂ جمل کے دوسرے لشکر حضرت علیؓ اور صفین کے واقعہ کے دونوں لشکروں میں بھی خواتین کی موجودگی سے یکسر انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ مؤرخین اور سوانح نگاروں نے بالعموم اہم واقعات قتال و جنگ پر توجہ مرکوز رکھی ہے۔

(طبری ۴/ مذکورہ بالا؛ ۵٦۳ و مابعد؛ ۵/ ۵۔۱۷ و مابعد: واقعات سنہ ۳۷/ ٦۵۷)

خلافتِ اموی کے غزوات میں خواتین

عہد نبوی سے جو اسلامی فوجی وراثت خلافتِ راشدہ کو منتقل ہوئی وہ خلافتِ اموی (۴۱/ ٦٦۱۔۱۳۲/ ۷۵۰) میں بھی اپنی کارفرمائی کرتی رہی اور مجاہدینِ اسلام کے ساتھ ساتھ ان کی خواتین اور دوسری مجاہداتِ اسلامی افواج میں جاتی رہیں۔ خلافتِ فاروقی کے ضمن میں مورخین قدیم نے عرب قبائل کی روایات کا ذکر کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ وہ اپنے خاندانوں کے ساتھ جاتے تھے۔ وہ عرب روایات و اقدار اسلامی خلافت کے دوسرے ادوار میں بھی جاری رہیں اور خلافتِ راشدہ کے بعد خلافتِ اموی میں بھی مجاہدات اور خواتین اسلام مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی تمام اسلامی فتوحات میں شریک اور کارفرما رہی تھیں۔

قدیم مصادر میں بالخصوص طبری میں فتوحاتِ اسلامی کے بیانات مختصر سے مختصر ہوتے گئے ہیں اور اس کا شکوہ سب کو ہے۔ طبری وغیرہ صاحبانِ روایات مسلمانوں کے اختلافات اور خانہ جنگی کے واقعات پر صفحات کے صفحات سیاہ کر ڈالے ہیں۔ فتوحاتِ اسلامی پر ان کے بیانات بہت مختصر ہیں خاص کر قسطنطنیہ اور بحرِ روم کے جزائر پر حملوں اور فتحوں کا بیان ناقص تر ہے۔ بہر حال ان میں بھی بعض روایات مل ہی جاتی ہیں جو اسلامی افواج میں خواتینِ عصر کی موجودگی ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں، دوسرے غیر مسلم علاقوں میں اسلامی آبادکاری کی مساعیٔ خلفاء و امراء بھی ان کی موجودگی اور کارکردگی ثابت کرتی ہیں۔

مشرقی محاذ: خراسان وغیرہ

اموی فاتحین، سالاروں اور امیروں نے خراسان اور ترکستان کے مختلف مشرقی مقامات میں فوجیں بھیجیں ان کے ساتھ خواتین بھی تھیں اور ان کی کامل فتح اور آبادکاری کے بعد وہاں مسلم بستیاں بسانے کا اصل اور اہم کام کیا۔ مسلم مورخین نے ان دونوں اقدامات فتح اور آبادکاری سے بہت سے واقعات مختلف مقامات کے حوالے سے نقل کئے ہیں۔ ان میں مرو، مروالروز، ابرشہر، طالقان، فاریاب، ازدھراہ، بادتمیس، بوشنج، قادس وغیرہ کا ذکر بلاذری نے کیا ہے۔ حضرت زیاد بن ابی سفیان امویؒ پہلے گورنر تھے جنھوں نے مرو میں عربوں کو بسایا اور حضرت حکم بن عمر غفاریؓ نے بھی آبادکاری میں حصہ لیا۔ (بلاذری، فتوح البلدان، ۵۷۶ وغیرہ؛ حضرت ربیع بن زیاد حارثی کو سنہ ۵۱/۶۷۱ میں حضرت زیادؒ نے خراسان بھیجا اور ان کے ساتھ کوفہ و بصرہ (مصرین) کے لوگوں میں لگ بھگ پچاس ہزار افراد کو ان کے خاندانوں (عیالتہم) کے ساتھ وہاں آباد کیا جن میں مشہور صحابی حضرت ابو عبداللہ بریدہ بن حصیب اسلمیؓ اور ان کا خاندان بھی شامل تھا۔ دوسرے اہم صحابی حضرت ابو برزہ اسلمیؓ یعنی عبداللہ بن فضلہؓ بھی ان میں تھے اور ان کا وہیں انتقال ہوا۔ ان تمام آبادکاریوں اور فتحوں میں خواتین شامل تھیں۔

حضرت معاویہؓ کے جانشین خلیفہ یزید بن معاویہ نے حضرت سلم بن زیاد کو خراسان کا والی بنایا اور انہوں نے اہل خارزم سے صلح کرنے کے بعد نہر عبور کی اور ان کے ساتھ ان کی اہلیہ حضرت اُم محمدؓ بنت عبداللہ بن عثمان بن ابی العاص ثقفی تھیں اور وہ پہلی خاتونِ عرب

بنیں جنہوں نے اس نہر کو عبور کیا تھا۔ ان کا اگلا مقام سمرقند تھا اور وہاں بھی وہ ان کے ساتھ موجود تھیں۔ (بلاذری، فتوح البلدان، ۵۸۱: وہیں ان کے فرزند سُغدی نامی پیدا ہوئے۔ انہوں نے صاحب سُغد کی بیوی سے زیورات بھی مستعار لیے تھے۔ صاحبزادے کا نام قبیلہ سُغد کے سبب اور نام پر رکھا گیا تھا۔ ترکستان وخراسان کے مولدین میں متعدد نامور اہل قلم و سیف ہوئے)

خراسان وترکستان کے دوسرے فاتحین اور گورنروں جیسے سعیدؓ بن عثمان، عبیداللہ بن زیادؒ، مہلب بن ابی صفرہ اور ان کے فرزند یزید اور سب سے زیادہ اہم حضرت قتیبہ بن مسلم باہلیؒ وغیرہ کی فتوحات واقدامات کے ضمن میں ان کے اہل بیت، امہات اولاد اور دوسری خواتین کا ذکر ملتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ مختلف مواقع پر موجود تھیں اور انہوں نے دونوں معاملات فتح وآبادکاری میں حصہ لیا تھا۔ (بلاذری، ۵۸۲۔ ۵۹۷ ومابعد)

۵۳/ ۶۷۳ میں طبری نے روایتِ واقدی کی بنا پر بیان کیا ہے کہ اس سال بحرِ روم کا جزیرہ دودس فتح ہوا۔ حضرت جنادہؓ بن ابی اُمیہ ازدی کی قیادت میں مسلمانوں نے اس کو فتح کر کے وہاں مسلم بستیاں بسائیں۔ ان میں زراعت کی جائیدادیں (اموال) بنائے اور مویشیوں کو پالا جوان کے اطراف میں چرائی کرتے اور شام آتے ہی وہ قلعہ کے اندر پناہ لے لیتے کیونکہ ان کو رومیوں سے شدید خطرہ تھا اور ان کے جنگی بیڑے جزیرہ کا چکر لگایا کرتے تھے اور مسلمان ان کا سمندر میں مقابلہ کرتے تھے۔ حضرت معاویہؓ ان آبادکاروں کے ارزاق وعطا ان کے پاس بھیجا کرتے تھے اور رومی دشمن ان سے شدید خوف کھاتے

تھے۔ حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد ان کے جانشین خلیفہ یزید بن معاویہ نے ان کی حفاظت کے پیش نظر ان کو واپس بلالیا تھا۔

(طبری ۵/۲۸۸؛ بلاذری، فتوح البلدان، بیروت ۱۹۵۷ء ۳۳۰: نے اس کی فتح کا سنہ ۵۲ھ لکھا ہے۔ اس کو شام سے ساٹھ میل کے قریب مسافت پر واقع بتانے کے علاوہ لکھا ہے کہ وہ تمام جزائر میں سب سے زیادہ شاداب تھا۔ اس میں زیتون، انگور (کروم) اور عمدہ پھل پھلاری اور میٹھا پانی موجود تھے۔ مسلمان وہاں سات برس تک آباد رہے۔ ابتدائی آباد کاروں میں مشہور تابعی حضرت مجاہدین جبر تھے جو وہاں مقیم رہ کر قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ ان کے طلبہ میں مشہور اہل علم اور ان کے فرزندان گرامی تھے۔ ظاہر ہے کہ اس آبادی میں مسلم خواتین بھی تھیں اور وہ بھی قرآن اور علوم اسلامی کی تعلیم ان سے یا دوسرے اساتذہ سے حاصل کرتی تھیں۔)

بلاذری کے مطابق حضرت جنادہؓ نے ۵۴/۶۷۴ میں جزیرہ ارواد میں فتح کیا اور حضرت معاویہؓ نے وہاں بھی مسلمانوں کو آباد کیا۔ اس کی فتح میں بھی حضرت مجاہدؒ شامل تھے۔ ان کے ساتھ حضرت کعب الاحبار اور ان کی اہلیہ اور ان کے فرزند حضرت تُبَیع بھی تھے اور اسی جزیرہ میں حضرت مجاہدؒ نے حضرت تُبَیع کو قرآن پڑھایا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ جزیرۂ رودس میں حضرت کعب کو بھی اُنہوں نے قرآن مجید کی تعلیم دی تھی۔ حضرت جنادہؓ نے اقریطش نامی جزیرہ بھی فتح کیا تھا اور حضرت ولیدؒ کے زمانے میں اس کا کچھ حصہ قبضہ میں آ گیا تھا۔ بعد میں خلافت ہارون الرشید، المامون وغیرہ کے زمانوں میں بھی اس کی فتوحات ہوتی رہی تھیں۔ ابوحفص عمر بن عیسیٰ اندلسی ''اقریطشی'' کی نسبت سے زیادہ معروف ہیں۔ بعد میں

یہ جزیرہ رومی تاخت کے سبب برباد ہوگیا تھا۔ (بلاذری، فتوح البلدان، ۳۳۰)

افریقیہ واندلس میں غزوات اور خواتین

جہادِ اسلامی کے اولین مرحلہ خلافت راشدہ (۱۱/۶۳۳۔۳۵/۶۵۶) میں عرب قبائل بالخصوص بدوی قبائل کی عظیم الشان نقل وحرکت شروع ہوئی اور عظیم ترین ہجرت عرب کی صورت میں کمال کو بھی پہنچی۔ ان تمام ہجرتوں اور قبائلی نقل وحرکت میں دو مقاصد و اہداف واضح ہوتے تھے: اول جہاد و فتح ممالک میں حصہ لینا اور دوم فتح وقبضہ کے بعد مفتوحہ ممالک اور مقبوضہ بلاد میں آباد ہونا۔ یہ دونوں اہداف اتنے واضح و مستحکم تھے کہ پسپائی اور شکست کا خیال بھی نہیں آتا تھا اور ان ہی کے سبب وہ اپنے اہل خانہ، عزیز واقارب خواتین کو بھی ساتھ لے جاتے تھے۔

صرف بدوی قبائل کا معاملہ نہیں تھا بلکہ قریش اور دیگر شہری اور تمدن افراد وطبقات بھی ان دونوں اقدار واہداف کے پیش نظر اپنی خواتین کو ساتھ لے جاتے تھے۔ ان میں اکابر و قائدین کی ازواج وعیال خاص تھے۔ خلفاء راشدین میں سے اولین دونوں بزرگوں نے شیخین کریمین نے ایک اور فوجی سنت یہ قائم کی تھی کہ سالاروں اور امیروں کو خاص ممالک و بلاد اور علاقے کو فتح کرنے کا فریضہ سونپتے تھے اور اسی کے ساتھ یہ صراحت وہدایت بھی کر دیتے تھے کہ فتح وقبضہ کے بعد وہی سالار وامیر اپنے اپنے مفتوحہ علاقوں کے گورنر/ عامل و امیر بھی ہوں گے۔ اس فوجی حکمتِ عملی کے دوسرے فوائد وجہات کے علاوہ ایک اہم فوجی زاویہ یہ تھا کہ وہ سالار وامراء اور ان کے ماتحت افسر اور دوسرے سپاہ بھی اپنی اپنی عورتوں کو

ساتھ لے جاتے تھے۔ یہ ایک مستقل پالیسی اور معمول کی ریت بھی تھی۔

(طبری، بلاذری اور دوسری کتب تاریخ وسیر میں امراء جیوش بالخصوص حضرات یزید بن ابی سفیان اموی، ابوعبیدہ بن جراح فہری، شرحبیل بن حسنہ ازدی اور عمرو بن عاص سہمی رضی اللہ عنہم کی تقرری کا فرامین میں اس کی وضاحت ملتی ہے۔)

خلافتِ اسلامی کے دوسرے دورِ فتح و توسیع کا سنہرا زمانہ اموی خلافت کا قریب قریب اسی سالہ عہد ہے۔ خلافتِ معاویہؓ اموی کے آغاز سے خلافتِ ہشام بن عبدالملک اموی تک بالخصوص اسلامی جہاد وغزوات کا وہی سلسلہ رہا۔ مشرق ومغرب اور جنوب وشمال میں اسلامی مجاہدین اپنے ساتھ مجاہدات وخواتین کی ایک کثیر تعداد ترکستان، افریقیہ اندلس اور بحرِ روم کے جزائر وغیرہ میں بھی لے جاتے رہے۔ جزائرِ روم میں خواتین کی شرکت واضح کرتی ہے کہ وہ اولین حملوں میں بھی شریک رہی تھیں۔ ممکن ہے کہ بعض اولین غزواتِ افریقیہ واندلس میں نہ رہی ہوں مگر بعد کے غزوات میں وہ یقیناً موجود تھیں۔

تنقیدی تجزیہ

جاہلی عرب کی ایک سماجی اور فوجی ریت یہ رہی تھی کہ وہ مختلف وجوہ سے اپنی خواتین کو جنگوں میں لے جاتے تھے۔ ایام العرب کے واقعات، مختلف عرب قبائل کے جنگی اخبار، عرب وعجم کے درمیان کشاکش کی روایات اور قریش وہوازن، اول وخزرج اور دیگر قبائل عرب کے درمیان جنگوں اور محاربوں کے معاملات ثابت کرتے ہیں کہ عرب جاہلی اپنی خواتین کو میدانِ جنگ میں جانے پر مجبور بھی کرتے تھے تاکہ ان کی موجودگی ان کی غیرت کو

للکارتی اوران کے جوشِ قتال کو گرماتی رہیں۔طبری جیسے مورخین کے عام بیانات اورغزواتِ احد وحنین وغیرہ میں مشرکین کے فوجی اقدامات ان کی اس ریت کو نہ صرف واضح کرتے ہیں بلکہ اس زمانے اوراس قوم کے مزاج اور سائیکی کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔خواتین جنگ وقتال کا مردانہ کام اگرنہیں بھی کرسکتی تھیں تو جنگجوؤں اور مقاتلوں کے قدم میدانِ جنگ میں ثابت رکھ سکتی تھیں۔

رسولِ اکرم ﷺ نے بلاشبہ عرب جاہلی روایات صالحہ کواپنے غزوات و جہادات میں پوری طرح اپنایا تھا۔ بقول حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ آپ ﷺ انبیاء اور رُسل کی مانند سب کچھ مٹا دینے کے لیے مبعوث نہیں کیے گئے تھے بلکہ مضرِ اخلاق و بدن کو مٹا دیتے تھے، فساد زدہ میں اصلاح فرماتے تھے اور صالح ومفید کو پوری طرح اختیار کر لیتے تھے۔غزواتِ نبوی میں مجاہدات اسلام،خواتین عصر اور ازواجِ مطہرات کی شرکت اسی صالح عرب روایت کے مطابق تھی اور وہ شروع سے آخر تک جاری وساری رہی، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ بعد کے زمانے میں اس میں اضافہ ہوتا گیا تھا۔غزواتِ نبوی میں خواتین کی شرکت و اشتراک کے خاص دینی واسلامی اورتشریعی وقانونی جہات وابعاد اس سے زیادہ ہیں۔اسلام بطور دین وشریعت اور بطور سیاست وحکمت اپنے آفاقی اور ابدی اُصول وحاکم کے اجراء ونفاذ کے لیے آیا تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ فوجی معاملات اور جنگی امور میں بھی اجازت و اباحت، سنت طریقت کی ایک صحیح ترین اسلامی طرح ڈالنا چاہتے تھے خواتینِ اسلام اور بالخصوص ازواجِ مطہرات کو ان اہم ترین، خطرناک ترین اور نازک ترین مواقع پر ساتھ لے جانے کی یہی حکمت تھی۔

غزواتِ نبوی میں خواتین اسلام اور مجاہدات عصر کی شرکت و رفاقت کے بنیادی اہداف یہ تھے:

……مجاہدین کے لیے کھانا پکانا اور دوسری ضروریات کا انتظام کرنا اور خیمہ گاہ کی حفاظت اور دیکھ بھال کرنا۔

……میدانِ جنگ میں پانی پلانے اور مجاہدین کی پیاس بجھانے کا انتہائی دلیرانہ کام انجام دینا۔

……زخمیوں اور شہیدوں کو میدانِ جنگ سے منتقل کرنا اور زخمیوں کی دوادارو اور مرہم پٹی کرنا۔

……شہداء کی تدفین، قبریں کھودنے میں بچوں لڑکوں اور دوسرے لوگوں کو مدد کرنا۔

……دوسرے وہ کام انجام دینا جو غیر حربی کہلاتے اور جانوروں کی دیکھ بھال وغیرہ سے متعلق سمجھے جاتے ہیں۔

……بوقتِ ضرورت باقاعدہ تلواروں، تیروں، نیزوں اور دوسرے اسلحوں سے جنگ کرنا، دشمن کو مارنا اور سالاروں اور سپاہیوں کی مدافعت کرنا۔

……میدانِ جنگ میں کارزار، قتال کو اپنے رجز ونغمہ اور نعرہ وصدا سے گرم کرنا، ان کو جوش وغیرت دلانا، جہاد وشہادت پر آمادہ کرنا اور پہلوتہی کرنے والوں کو میدانِ کارزار میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کرنا۔

عہد نبوی میں مجاہدات وخواتین کے بارے میں بعض بہت اہم اور ذہن کشا معلومات

بھی ملتی ہیں جیسے:

......رسول اکرم ﷺ نے ہر عمر کی خواتین کو جہاد وغزوہ میں شرکت کی اجازت دی تھی۔ان میں کمسن لڑکیاں بھی تھیں بالغ اور پکی عمر کی بیگمات بھی تھیں، کنواری بھی تھیں اور شادی شدہ بھی۔معمر اور بزرگ خواتین بھی تھیں اور ایسی بھی جن کے فرزندانِ گرامی مجاہدین ومقاتلین میں شامل تھے۔ان میں سے بعض پورے دنوں سے بھی تھیں اور میدانِ جنگ میں یا دورانِ غزوہ فارغ ہوئی تھیں۔

......ان میں سب سے اہم شرکت ازواجِ مطہرات کی تھی کہ ان میں دو ایک یا زیادہ ضرور شریک غزوہ ہوتی تھیں۔

......ان خواتین عصر اور صحابیات کی شرکتِ جہاد حجاب کے احکام کے نزول سے قبل سے جاری تھی اور بعد میں بھی جاری رہی۔

......اور سب سے اہم یہ کہ رسول اکرم ﷺ نے واقعۂ افک کے حادثے کے بعد بھی ان کی شرکت پر پابندی نہیں لگائی۔(مفصل بحث اور مآخذ کے لیے: رسول اکرم ﷺ اور خواتین کا باب ''غزوات نبوی میں خواتین'' خاص کر تجزیاتی تبصرہ)

خلافتِ راشدہ اور اس کے بعد کے دورِ خلافت اسلامی میں ان ہی اہداف ومقاصد اور امتیازات واوصاف کے ساتھ خواتین عصر اور صحابیات وتابعات کی غزوات ومحاربات میں شرکت اور مصاحبت برابر جاری رہی۔اس صد سالہ دورِ خیر القرون میں جہاد وقتال اور غزوات کی نوعیت میں ایک جوہری تبدیلی اور عظیم ترقی ہوئی تھی۔عہدِ نبوی میں اسلامی

افواج اور ان کے ساتھ ان کے شریک مجاہدین ومجاہدات اپنے حربی فرائض انجام دے کر اپنے گھروں کو واپس آجاتے تھے کیونکہ وہ اپنی زمین کا قصہ تھا اور وہاں کسی قسم کی آبادکاری کی ضرورت نہ تھی کہ عرب بھی تھے اور مسلم بھی، خلافت، راشدہ اور خلافت، امویہ میں فوجی نقل و حرکت نے ہجرت عظمیٰ کی نوعیت اختیار کر لی اور بہت بڑے پیمانے پر، جس کی نظیر قدیم عرب کی تاریخ میں یا اولین عہد، اسلامی میں نہیں ملتی، قبائل عرب اور مجاہدین اسلام کی ہجرت شروع ہوئی اور ترقی کرتی ہی گئی۔ ہزاروں کی تعداد میں مہاجرین اور مہاجرات نے اپنے اصل وطن سے ہجرت کی اور دوسرے ملکوں کو آباد کیا۔ ان کی یہ ہجرت و نقل مکانی اور غیر ملکوں میں آبادکاری کسی جغرافیائی سبب، معاشی واقتصادی مجبوری یا کسی سیاسی ضرورت سے نہیں تھی جسے بالعموم زمین ہڑپنے کی ہوس سے تعبیر کیا جاتا ہے اور نہ ہی وہ دوسروں پر حکمرانی کی خاطر ہی تھی۔ وہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے آشنا کرنے، رسولِ اکرم ﷺ کے پیغام سے روشناس کرنے اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر تھی ہمارے تمام قدیم مصادر و مآخذ کی ان گنت روایات و واقعات اس کی تصدیق کرتے ہیں اور غیروں اور دشمنوں کو بھی اس کا اعتراف ہے۔

مفتوحہ و مقبوضہ ممالک و دیار کو اسلام سے روشناس کرانے کی صحیح عملی صورت یہ تھی کہ ان کے درمیان مسلم آبادی ہو۔ خلفائے راشدین کی ہدایات، امرائے ولایات کے احکامات اور سفراءِ اسلام کی تقاریر و اظہارات اسکی تصدیق کرتے ہیں بعد کے تجزیہ نگاروں اور تاریخ کے پارکھوں نے بھی تسلیم کیا ہے بلکہ انہوں نے ہی اس کا برملا اظہار کیا ہے کہ

عرب فاتحین کی بدولت تین بنیادی تبدیلیاں مقبوضات ومفتوحات میں آئیں: اول بیشتر آبادی کا مذہب اسلام ہو گیا جو دھیرے دھیرے پورے علاقے کو مسلم بنا گیا۔ دوم مفتوحہ اقوام کی علمی، دینی، سرکاری اور کاروباری بلکہ روزمرہ کی زبان عربی ہو گئی جس نے غیر عرب اقدام کو بھی عرب بنا دیا۔ سوم تمام مفتوحہ ممالک اور محرومہ اقوام کی تہذیب وتمدن عرب اسلامی بن گیا جس نے ہر تمدن کی صالح روایات کو خود میں ضم کر لیا۔ مسلم فتوحات، اسلامی غزوات کے بعد خواتین اسلام نے اسلامی آبادکاری میں بے مثال کردار ادا کیا کہ ان کی گود میں ہی اصل مدارس تھے۔

غزواتِ اسلامی میں خواتین کو لے جانے کی سماجی جہات وابعاد بہت زیادہ بھی ہیں اور غالباً اہم ترین بھی۔

خلافتِ راشدہ وامویہ کے محاربات اور جنگوں کے دوران متعدد افراد وطبقات اور قبائل کے درمیان شادی بیاہ کے تعلقات استوار کرنے کا واقعہ بہت کثرت اور خاص احتیاط وفکر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ نکاح وزواج کے روابط کے دو اہم ترین پہلو ملتے ہیں: ایک مختلف قبائل عرب کے درمیان شادی بیاہ کیے گئے ان کی بنا پر قبائل عرب میں سے بدوی اور حضاری قبائل کا فرق مٹا اور ان دونوں کے درمیان زیادہ عمدہ روابط ہوئے۔ یہ قدیم عرب اور جاہلی روایات کا ہی حصہ ہے۔ اور ان کی بنا پر ازدواجی یا مصاہرت کے رشتے باہم محبت و الفت اور یگانگت واتحاد کے جذبات اور روابط کو فروغ دیتے تھے اور بالعموم سسرالی یا ننہالی رشتہ دار اپنے دامادوں اور بھانجوں نواسوں کی ہر طرح امداد ومعاونت کرتے تھے جن میں

فوجی معاونت سب سے اہم تھی۔اس کے بہت سے واقعات بھی ہیں۔دوسرے قبائل قریش کے اندرون میں متعدد بطون اور خاندانوں کے افراد وطبقات کے درمیان ازدواجی روابط استوار ہوئے۔ بالعموم شہید اور مرحوم سالاروں کی بیواؤں سے دوسرے سالاروں اور امیروں نے شادی کر کے ان کو سہارا دیا۔اس طرح ان کی اوران کی اولاد کی کفالت کی اور زیادہ باہمی موانست اورسماجی ارتباط پیدا کیا۔

نکاح اورشادی بیاہ کا ایک اورخاص زاویہ یہ بھی تھا کہ مسلمان سالاروں،امیروں اور سپاہیوں نے مقامی عورتوں سے شادیاں کیں۔ان میں سے بیشتر بلکہ سب کی سب غیر مسلم تھیں۔حضرت جابر کی حدیث میں عیسائی عورتوں سے شادیاں کرنے کی بات آچکی ہے۔ ان شادیوں سے ایک اہم سماجی فائدہ یہ ہوا کہ عرب فاتحین اور عجمی مفتوحین کے درمیان بہت قریبی تعلقات وارتباط سماجی پیدا ہوا جس نے فتح وغزوہ کی تلخیوں کوکم کرنے یں خاصی مدد کی اوراس سے عرب وعجم کے درمیان ہم آہنگی اورسماجی یگانگت پیدا کی۔اس نے بالآخر ایک متحدہ اسلامی اُمت کے ابھرنے کے شاندار مواقع مفتوحات ومقبوضات کے اندر پیدا کیے۔عراق وشام،ایران وخراسان اورترکستان افریقیہ واندلس وغیرہ کوخالص اسلامی اور عربی رنگ وآہنگ دینے میں ان روابط ازدواجی نے اہم کردارادا کیا تھا۔

علمی لحاظ سے غزوات ومحاربات میں خواتین کی موجودگی اورمقبوضات ومفتوحات میں ان کی آبادکاری نے بھی بہت اہم کردارادا کیا تھا جس کا ابھی تک ادراک ہی نہیں کیا گیا تواس کا تجزیہ وتحلیل اوراسکی بناپرسماجی ترقی کا اظہار کیونکر ہوتا!

خواتین اسلام کو غزوات اور جنگوں میں لے جانے کے ضمن میں بعض اسلامی اور دینی اور تشریعی پہلو قابل غور ہیں:

......رسولِ اکرم ﷺ نے اپنے غزوات میں صحابیات وخواتین کو ساتھ لے جا کر ایک خاص سنت قائم کی۔ یہ عملی سنت مطہرہ ہے اور اس کی بنیادی حکمت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مسلم آبادی کے نصف حصہ کو اجتماعی زندگی اور سماجی کارکردگی سے بیدخل کرنے کی پالیسی نہیں اپنائی۔ ان کو جنگ وقتال اور جہاد وغزوہ کے جان جوکھم والے مواقع پر بھی ساتھ رکھا۔ حجاب و پردہ، اختلاطِ مرد وزن اور دونوں جنسوں کی باہم مخالطت ومصاحبت بلکہ اشتراک و تعاون کی صحیح ترین اسلامی روایت قائم کی۔ کوئی بڑے سے بڑا دریدہ دہن بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ رسولِ اکرم ﷺ سے زیادہ کسی اور کو اسلام اور اسلامی احکامِ حجاب واختلاط کا خیال ولحاظ تھا۔ جسے صرف اجازتِ نبوی قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے وہ سوچی سمجھی حکمت عملی تھی اور وہ بھی رسولِ آخرالزماں ﷺ کی جن کی نگاہِ بینا اور دلِ حق شناس کے سامنے اسکے تمام مضمرات وخطرات بھی روشن وواضح تھے۔

......آپ ﷺ نے اپنے بعد کے زمانے میں قتال و جہاد میں خواتین کی شرکت وغزوات میں مصاحبت کا اُصول وحکم بھی اپنی وحیِ حدیث والٰہی میں فرما دیا تھا جب حضرت اُم حرام بنت ملحانؓ کو اولین اسلامی بحری جہاد میں نہ صرف شرکت کی اجازت ہی دی تھی بلکہ ان کی درخواست پر ان کے لیے ان مجاہدین مغفورین میں شامل ہونے کی دُعا بھی کی تھی اور وہ مستجاب بھی ہوئی۔ حضرت اُم حرامؓ نہ صرف قبرص کے بحری غزوہ میں شریک رہیں بلکہ اسی

میں شہید ہو کر ایک خاص مفتوحہ ملک میں مدفون ہوئی ان کی مثال، حدیث اور روایت کی بنا پر بہت سی دوسری خواتین بھی ان غزوات و جہاد میں شامل ہوئی تھیں جن میں صرف بعض کے نام مذکور ہیں۔ خواتین عصر کا اپنے مجاہدین کے ساتھ غزوات میں شرکت و مصاحبت کا سلسلہ ایک صدی تک جاری رہا اور یہی صدی خیر القرون بھی ہے جب صحابہ کرامؓ اور صحابیات طاہراتؓ کے ساتھ تابعین و تابعات بھی اس میں کارفرما تھے۔ اسی سنتِ نبوی اور طریقت محمدی کو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے مزاج شناسانِ نبوت نے جاری رکھا اور سنتِ شیخین کی پیروی خلیفہ سوم اور ان کے جانشین اموی خلفاء و امراء اور سالاروں نے بھی اسی طرح کی تھی۔

......خلفاء راشدین بالخصوص حضرت عمر فاروقؓ نے قبائل عرب کے شیوخ و اکابر اور افراد و طبقات کے اپنی خواتین کو ان جنگوں میں لے جانے کی اجازت دی بلکہ ان کو ساتھ رکھنے اور ان سے خدمات لینے کی باقاعدہ تحریک بھی کی۔ وہ چاہتے تو ان کو ایسے خطرناک مواقع پر روک سکتے تھے اور فتوحاتِ کاملہ کے بعد خواتین کو امن و امان کے عالم میں وہاں بلا لینے کی ہدایات جاری کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ خلفاء راشدین بالخصوص شیخین کی عظمت و ہیبت اتنی تھی کہ ان کے حکم سے کسی بھی شخص، طبقہ قبیلہ کی سرتابی کی مجال نہ تھی۔ یہ تاب و مجال تو خلیفہ سوم اور دوسرے خلفاء اموی کے سامنے بھی نہ تھی۔ حضرات خلفاء و امراء و قائدین نے اُمت کی عظیم تر مصالح اور اسلام و شریعت کی وسیع تر روح و مقصود کی خاطر ان مجاہدات کو جنگوں میں اور غزوات میں ساتھ لے جانے اور ساتھ رکھنے

پر اکسایا تھا۔

......اگر یہ واقعہ و روایت صحیح ہے کہ خلیفۂ سوم نے حضرت امیر معاویہؓ کو اپنے اولین بحری جہاد میں اپنی اہلیہ محترمہ کو بھی ساتھ لے جانے کی ہدایت کی تھی تو وہ بہت اہم واقعہ اور اُصول ہے۔ حضرت خلیفہ کی حکمت و مصلحت تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ عزیز از جان شریکِ حیات کی رفاقت گونا گوں مقاصد کی حامل ہوگی: محض امیرِ بحر اور سالارِ اعلیٰ کی جان جوکھم میں نہ ہوگی بلکہ اہل وعیال کی بھی، دوسروں کو تشویش ہوگی، جبر واکراہ کی صورت نہ ہوگی، فتح وسلامتی دونوں کی بشارت کا کام کرے گی اور اسلامی جہاد کے عظیم ترین مقاصد کو بروئے کار و بروئے عمل لائے گی۔ اور ان سب سے زیادہ ان کے سامنے رسولِ اکرم ﷺ کی سنت مطہرہ کی تعمیل بھی رہی تھی۔

......خلافتِ اسلامی کے اولین دونوں ادوار میں غزوات ومحاربات میں مسلم خواتین کی، اپنی شرم وحیا کی حفاظت کے ساتھ، شرکت ایک تاریخی واقعہ ہے۔ اس کی طرح ان نفوسِ قدسیہ نے ڈالی تھی جو اسلام، دین، شریعت اور تقویٰ کے معیار کامل تھے۔ وہ ان کے فوائد ومصالح کے ساتھ ان کے خطرات ومضمرات سے بھی واقف تھے۔ بایں ہمہ انہوں نے ان خواتین کو مختلف باپردہ صورتوں کے ساتھ شریک جہاد کیا کہ یہی اصل اسلامی طریقہ ہے۔

☆......☆......☆

عربی ناول

ایک فلسطینی بچے کی رودادِ الم 12

محمود کے گھر آمد کی خوشی، حراست کے غم میں بدل گئی

عربی کا ایک ایسا ناول جس کو پڑھتے ہوئے آنکھوں سے آنسو بھی رواں ہو جاتے ہیں اور دلوں میں کچھ کرنے کے عزائم بھی انگڑائی لینے لگتے ہیں...... قدم قدم پر خوف اور امید ایک ساتھ چلتے ہیں...... بلند حوصلہ فلسطینی اور خون خوار اسرائیلی ہر موڑ پر آمنے سامنے ہوتے ہیں......

تاریخی سچائیوں کے پس منظر میں لکھی جانے والی ایک فلسطینی بچے کی کہانی...... جو آپ کو غزہ، الخلیل اور مغربی کنارے سمیت تمام علاقوں کی سیر کرواتے ہوئے قبلۂ اول مسجد اقصیٰ شریف میں لا کر کھڑا کر دے گی۔

''حرکۃ المقاومۃ الاسلامیۃ'' کے عظیم راہنما یحییٰ السنوار کے قلم سے نکلی ہوئی تجسس بھری یہ داستانِ خونچکاں ہوش رُبا بھی اور چشم کشا بھی...... ''الشوک والقرنفل'' کے نام سے انہوں نے یہ کہانی اسرائیل کے جیلوں میں بیٹھ کر قید و بند کی تکالیف سہتے ہوئے لکھی تھی......

مزدوروں کی آمدورفت میں اضافہ کے باعث مزید گاڑیوں کی ضرورت پڑی، جس سے نئے ڈرائیوروں کو موقع ملا، کچھ مزدوروں نے اپنی گاڑی خرید لی اور اپنے ساتھ پڑوسی مزدوروں کو لے جاتے جو انہیں کرایہ دیتے، اس طرح وہ صبح کے وقت پیدل چلنے اور شام کو واپسی کے سفر سے بچتے، پیجو گاڑیاں علاقوں میں داخل ہونے لگیں اور گاڑیوں کی آمدورفت میں اضافہ ہوا، آپ دیکھتے ہیں کہ ان میں سے کچھ مزدور اپنی گاڑی پر کچھ کرسیاں یا دیگر فرنیچر لارہے ہیں جو ان کے یہودی مالک نے نئے فرنیچر کے بدلے میں نکال دیا ہوتا تھا یہ مزدوران چیزوں کو اپنے گھر کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے لے آتے، یا اپنے دوستوں، رشتہ داروں کو تحفہ دیتے، یا (Hardware Market) میں فروخت کرتے۔

یہودی تاجروں نے الخلیل شہر اور دیگر قریبی علاقوں جیسے طولکرم اور قلقیلیہ میں آنا شروع کر دیا، جہاں وہ اپنی ضرورت کی اشیاء خریدتے تھے، کچھ تاجروں نے ورک شاپس، لوہار کی دکانوں یا درزیوں کے ساتھ معاہدے کیے تاکہ وہ انہیں سو دروازے یا ہزار کھڑکیاں فراہم کریں، انہیں یہ اشیاء اسرائیلی کارخانوں کی نسبت بہت سستی مل جاتیں، فلسطینی کاروباری افراد قیمت بڑھا کر زیادہ منافع کماتے، اور اس طرح زیادہ سے زیادہ لوگوں کو روزگار فراہم کرتے۔

حالات بہتر ہونے کے باوجود مزاحمت جاری رہی، یہ مزاحمت کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتی رہی، کیونکہ یہ صرف مالی حالت سے وابستہ نہیں تھی، بلکہ قومی وابستگی اور ذمہ داری کے احساس سے جڑی ہوئی تھی، اگرچہ تنگ دستی ان جذبات کو مزید بھڑکاتی تھی، مزاحمتی کارروائیاں پھر بھی جاری رہتی، کبھی یہاں بم پھینکا جاتا، کبھی وہاں فائرنگ ہوتی، کبھی یہاں

کرفیولگتا تو کبھی وہاں گرفتاریاں ہوتیں، تفتیشیں ہوتی اور لوگوں کو گھنٹوں روک کر رکھا جاتا، کبھی کوئی مخبر پکڑا جاتا تو اسے مار دیا جاتا۔

یہودی ریاست کے اندر سینکڑوں اور ہزاروں مزدوروں کے داخلے نے مزاحمت کاروں کو 1948ء سے قبضے میں لی گئی زمینوں کے اندر بڑے پیمانے پر کارروائیاں کرنے کا موقع فراہم کیا، عبدالحفیظ جو ہماری پڑوسن ام العبد کا بیٹا تھا، نے اپنی ماں کو قائل کیا کہ اپنے بھائیوں کے مستقبل کے لیے اسے پڑھائی چھوڑ کر کام شروع کرنا چاہیے تاکہ اس کے بھائی تعلیم جاری رکھ سکیں اور اس کی ماں کو مشکل کاموں سے آرام مل سکے، کئی کوششوں کے بعد اس کی ماں راضی ہوگئی، عبدالحفیظ نے دوسرے ہزاروں لوگوں کی طرح اسرائیل میں کام شروع کر دیا، چند ماہ بعد وہ اپنے گھر کے لیے ایک مناسب دروازہ اور ٹین کی چادریں خریدنے میں کامیاب ہو گیا، انہوں نے گھر کی زمین کو بھی کنکریٹ سے ہموار کر دیا۔

لیکن کچھ عرصے بعد سب کو یہ علم ہوا کہ عبدالحفیظ کا مقصد صرف بہتر زندگی اور اپنے بھائیوں کی تعلیم نہیں تھا، تقریباً دو سال بعد پتہ چلا کہ عبدالحفیظ عوامی محاذ میں شامل ہو چکا تھا اور اس کا مقصد اسرائیل میں فدائی کارروائیاں کرنا تھا، چند ماہ بعد جب وہ کام کے دوران وقفے لیتا، تو وہ اپنے کھانے کے تھیلے میں چھپائی ہوئی بم کو یافا لے جاتا اور کسی بس، کیفے یا نائٹ کلب میں رکھ دیتا، کام ختم کرنے کے بعد گھر واپس آتا، اور بم وہاں پھٹ جاتا، جہاں زخمی یا ہلاکتیں ہوتی تھیں۔

عبدالحفیظ اس حالت میں دو سال تک رہا، اور وہ انتہائی احتیاط اور چالاکی سے کام کرتا رہا، اس دوران اس نے کئی کامیاب کارروائیاں کیں، مگر شین بیٹ مخبروں کے تحقیقات نے

اس پر شک پیدا کر دیا، ایک رات قابض فوج کی بڑی تعداد نے اس کے محلے پر چھاپہ مارا، اس کے گھر کو گھیر لیا اور اسے گرفتار کر لیا، تحقیقات کے دوران، اسے شدید تشدد، مار پیٹ اور اذیت کا سامنا کرنا پڑا، مگر وہ کسی بھی الزام کو قبول نہیں کرتا تھا، آخر کار انہوں نے اس کے ایک ساتھی کو گرفتار کیا، جس نے اعتراف کیا کہ عبدالحفیظ "الجبهة الشعبية" میں منظم ہے، جب اس سے سامنا کروایا گیا تو اس نے صرف اتنا ہی قبول کیا، اور اسے ڈیڑھ سال کی قید کی سزا دی گئی۔

فائدہ: شین بیٹ (ShinBet) جسے اسرائیل میں عمومی سیکیورٹی سروس General Security Service یا GSS کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، اسرائیل کی داخلی سیکیورٹی اور انسداد دہشت گردی کی ایجنسی ہے، اس کا مقصد اسرائیل کی اندرونی سیکیورٹی کو یقینی بنانا، دہشت گردی کو روکنا، اور جاسوسی کے خلاف اقدامات کرنا ہے، شین بیٹ کی ذمہ داریوں میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مختلف خطرات کا پتہ لگانا اور ان کا سدباب کرنا شامل ہے، یہ ایجنسی مختلف انٹیلی جنس اور سیکیورٹی آپریشنز انجام دیتی ہے تاکہ اسرائیل کی عوام اور حکومت کی حفاظت کی جاسکے، شین بیٹ کی تشکیل 1948ء میں ہوئی تھی، اور تب سے یہ اسرائیل کی سیکیورٹی کا ایک اہم حصہ ہے اس کی کارکردگی اور آپریشنز عموماً خفیہ ہوتے ہیں، اور ان کے بارے میں عوام کو زیادہ معلومات نہیں ہوتی۔

جب تعلیمی سال کے اختتام پر میرے بھائی محمود کی گرمیوں کی تعطیل کی وجہ مصر سے واپسی قریب ہوتی، تو ہم صلیب احمر کے دفتر جا کر پوچھتے کہ مصری جامعات کے طلباء کب واپس آئیں گے، یا پھر اعلانات کی تختی پر نظر رکھتے جہاں واپس آنے والے گروہوں کے

نام اور واپسی کی تاریخیں لکھی ہوتی تھیں، جس دن محمود واپس آتا، ہم سب پاسپورٹ کے دفتر کے سامنے اس کا انتظار کرتے، وہاں بسیں طلباء کو لے کر آتی تھی جن کے ساتھ فوجی جیپیں بھی ہوتی تھیں، وہ پاسپورٹ دفتر میں داخل ہو کر اترتے اور انتظار گاہ میں بیٹھتے، جہاں ان کے اہل خانہ ان سے ملنے کے لیے لپکتے، انہیں چومتے اور گلے ملتے، اور پھر گھر لے جاتے۔

ہم ہر سال محمود کی واپسی پر وہاں بیٹھتے اور اس کا انتظار کرتے، وہ باہر آتا اور ہم اس کی طرف دوڑتے پھر وہ ہمیں پیار کرتا، ہمارے حالات پوچھتا، اور میری ماں کے سر اور ہاتھ کو چومتا، میری ماں فخر اور محبت سے اس کی طرف دیکھتی، اور اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو ہوتے، وہ اپنے بیٹے "باش مہندس محمود" پر فخر کرتی تھی، ہمارے محدود وسائل کے باوجود میری ماں مختلف قسم کے کھانے تیار کرتی تاکہ محمود کا استقبال کیا جا سکے اور اس کی ایک سال کی محرومی کو پورا کیا جا سکے۔

محمود ہمارے لیے مصری مصنوعات کے کچھ سوتی کپڑے لاتا تھا، انہی دنوں میں ہم نے نئے کپڑوں کی لمس اور خوشبو کو جانا، کیونکہ اس سے پہلے ہم صرف وہ کپڑے پہنتے تھے جو ہم خیرات سے لیتے یا دوسری استعمال شدہ چیزوں کی دکانوں سے خریدتے، پہلے سال کی تعلیم کے اختتام سے ہی میری ماں نے اسے "باش مہندس" کہنا شروع کر دیا تھا۔

ایک گلی کے کونے پر کچھ نوجوان ایک سیاہ کمبل بچھاتے، جو انہیں ایجنسی سے ملتا اور اس پر بیٹھ کر تاش کھیلتے، ہر روز شام کے بعد وہ وہاں بیٹھ کر کچھ وقت گزارتے کیونکہ کوئی اور تفریحی ذرائع موجود نہیں تھے، وہ اپنے کھیل کو مغرب کے بعد تک جاری رکھتے ہیں جب اندھیرا چھا جاتا تو پھر وہ اپنے تاش کے پتے سمیٹتے، کمبل جھاڑتے اور اسے تہہ کر کے اپنے

گھروں کو روانہ ہوجاتے، کیونکہ کچھ دیر بعد کرفیو کا وقت ہو جاتا، ایک دن جب وہ وہیں بیٹھے تھے تو شیخ احمد وہاں سے گزرے، انہیں اسی نام سے بلایا جاتا تھا حالانکہ وہ ابھی جوان ہی تھے، اور وہ مغرب کی نماز پڑھ کر مسجد سے واپس آرہے تھے، وہ ہمیشہ کی طرح سلام کرتے ہوئے گزرے لیکن اس بار وہ ان کے پاس آئے اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے، ان نوجوانوں نے حیرانی سے کھیل روک دیا، تاش کے پتے سمیٹ لیے اور اس نئے آنے والے کی طرف متوجہ ہو گئے، شیخ احمد ان کے پاس بیٹھ گئے اور کہا: مجھے ایک اہم بات کرنی ہے جو آپ لوگوں سے متعلق ہے، ان کے چہروں پر حیرت واضح تھی اور انہوں نے کہا: جی فرمائیں، پھر شیخ نے قرآن کی آیات اور احادیث کا حوالہ دیتے ہوئے تفصیل سے بات کی، وقت ضائع کرنے کے نقصانات اور عبادت کی اہمیت پر زور دیا، اللہ کی نعمتوں کی یاددہانی کرائی اور آخرت میں خسارہ اور جہنم کے عذاب سے خبردار کیا، اس سب کو بڑی نرمی سے اسلام کے مستقبل سے جوڑتے ہوئے کہا کہ ضروری ہے کہ اسلام کا جھنڈا فلسطین کی سرزمین میں جو معراج اور اسراء کی جگہ ہے، بلند ہو، یہاں تک کہ ارض فلسطین آزاد ہو جائے اور لوگ نجات پالیں اور کوششیں کامیاب ہو جائیں۔

چاروں نوجوان خاموشی سے شیخ کی باتیں سنتے رہے، یہ پہلی بار تھا کہ وہ ایسا کچھ سن رہے تھے، انہیں دین اور وطنی جذبے کا یہ عجیب مرکب اچھا لگا، فلسطینی منظر نامے میں حالیہ دنوں میں یا تو شیخ یا دیندار کو دیکھا گیا تھا جو حقیقت اور قومی درد سے بے خبر ہوتا تھا یا پھر قومی یا فدائی جو دین اور دینداری سے بے خبر ہوتا تھا، ان کے چہروں پر پسندیدگی اور قناعت کے آثار نمایاں ہونے لگے، ان میں سے ایک نے پوچھا: شیخ صاحب ہم سے کیا توقع ہے؟ شیخ

احمد کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی اور کہا: کل ان شاء اللہ، آپ غسل کریں، پاک صاف ہوں اور وضو کریں، پھر اذان بلند ہونے پر مسجد جائیں اور نماز ادا کریں، نوجوانوں نے سر ہلا کر رضامندی ظاہر کی، شیخ احمد نے ایک ایک کر کے ان سے مصافحہ کیا اور روانہ ہو گئے، نوجوانوں نے اپنے تاش کے پتے سمیٹ لیے، کمبل جھاڑا اور اسے تہہ کر لیا اور روانہ ہو گئے کیونکہ اندھیرا چھا چکا تھا اور کرفیو کا وقت قریب تھا۔

سڑکیں کھودنے کی مہم کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ قابض فوج کی کیمپ پر قابو پانے کی صلاحیت زیادہ آسان اور ہموار ہو گئی ہے، اور اس کی گشت کرنے والی گاڑیاں آسانی سے حرکت کر سکتی ہیں اور کیمپ میں ہونے والی چیزوں پر نظر رکھ سکتی ہیں، اور پھر کسی بھی مشتبہ حرکات والے علاقے کو گھیر کر تلاشی لے سکتی ہیں اور مشتبہ افراد کو گرفتار یا قتل کر سکتی ہیں، گشت کی گاڑیوں کی تیز رفتار حرکت اور کیمپ کے ہر حصے میں اچانک پہنچنے کی صلاحیت نے مزاحمت اور فدائیوں پر اثر ڈالنا شروع کر دیا، لہذا ایک نئے طریقہ کار کی ضرورت تھی تاکہ فدائیوں کو جلدی سے قابض فوج کی موجودگی کے بارے میں آگاہ کیا جا سکے، تاکہ وہ اپنی حفاظت اور تیاری کر سکیں، اور ایسا ہوا کہ ہر جگہ جہاں قابض فوج کے فوجی نظر آئے اور جیسے ہی کسی بچے یا لڑکی یا یہاں تک کہ بڑے مرد اور خواتین نے قابض فوج کو دیکھا، انہوں نے بلند آواز میں "بیعو" کا نعرا لگایا اور جس نے بھی یہ لفظ سنا، فوراً بلند آواز میں "بیعو بیعو... واتریخ منو" کا نعرہ لگایا، اس وقت مقصد قابض فوج کے فوجیوں سے اپنے ہتھیار فروخت کرنے کا مطالبہ تھا۔

یہ نعرہ بلند کرنے اور اس نعرے کو زور سے کہنے کی روایت کچھ ہی وقت میں ایک عوامی

نغمے کی شکل اختیار کر گئی، جب طلباء اور طالبات اسکول جانے اور وہاں سے واپس آنے کے دوران قابض فوج کی گشت دیکھتے تو ان کے گلے میں ایک عوامی نغمہ گونجنے لگتا "بیعو …بیعو… **واتریح منو والصندل أحسن منه**" اور وہ اس نعرے کو اس وقت تک دہراتے رہتے جب تک ان کی آنکھیں اس گشت پر پڑی رہتی اور فوجی نہیں جانتے کہ اس کے بارے میں کیسے عمل کریں اور الجھن اور پریشانی میں مبتلا ہو جاتے۔

فدائی یہ آوازیں سنتے اور ان کے مقام کو جان لیتے اور اپنی حفاظت اور تیاری کرتے، طریقہ یہ تھا کہ چھوٹے بچے یہ نعرہ دہراتے، لیکن جب چھوٹے بچے موجود نہ ہوتے اور بڑوں کے لیے یہ نعرہ دہرانا ضروری ہوتا تو وہ بھی بلند آواز میں یہ نعرہ لگانے سے گریز نہیں کرتے، دن تیزی سے گزر گئے، اور ہم نے محمود کی مصر سے واپسی کے دن گننا شروع کر دیے، وہ انجینئرنگ کالج سے فارغ التحصیل ہو کر واپس آ رہا تھا، اور ہم روزانہ ریڈ کراس کے دفتر جا کر اس کے نام کا انتظار کرتے، اور مصر سے واپس آنے والے قافلوں میں اس کا نام ڈھونڈتے، کچھ دنوں کے بعد واپس آنے والوں کی فہرستیں اعلان بورڈ پر لٹکائی گئیں اور ہمیں تیسرے قافلے میں محمود کا نام ملا، ہم گھر کی طرف دوڑے تاکہ اپنی ماں کو باش انجینئر محمود کی واپسی کی خوشخبری دیں۔

اور اس کی آمد کا انتظار اور تیاری زور و شور سے شروع ہو گئی، سب سے اہم بات یہ تھی کہ ماں نے میرے بھائی حسن سے چونا (شید) خریدنے کو کہا، ہم نے گھر کے بیچ میں ایک گڑھا کھودا اور اس میں چونا ڈال کر پانی ڈالا تاکہ وہ ٹھنڈا ہو جائے، پھر ہم نے اس کو چھان کر سارے گھر کو سفید رنگ سے پینٹ کیا، جس میں کچھ نیلاہٹ بھی شامل تھی، اسکے بعد میری

ماں نے کھانے پینے کی تیاری شروع کی، خاص طور پر حلوہ اور بسبوسہ جو کہ ہمارے اور آنے والے مہمانوں کے لیے تھا۔

محمود کے آنے کے دن ہم نے تیاری کی اور اسے خوش آمدید کہنے کے لیے نکلے، ہم "جنرل ڈائریکٹوریٹ آف پاسپورٹ" کے سامنے پہنچے، جہاں بسیں فوجی گاڑیوں کی نگرانی میں آئی، ہم اور سینکڑوں خاندان بے صبری سے انتظار کر رہے تھے، واپس آنے والے ایک ایک کر کے باہر آنے لگے، یہاں تک کہ محمود باہر آیا، ہم دوڑ کر اس کی طرف گئے اور ہماری والدہ ہم سے آگے تھیں، اس نے ہمیں بانہوں میں بھر لیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، جب ہم اپنی والدہ تک پہنچے تو وہ بھی خوشی سے رو رہی تھی، محمود نے ان کا سر اور ہاتھ چومے اور وہ اسے گریجویشن کی مبارکباد دے رہی تھی، محمود نے کہا "میں واپس آ گیا ہوں، ماں، اور ان شاء اللہ اب محنت اور پریشانی کا دور ختم ہو گیا ہے، اُس نے جواب دیا" **الحمدللہ، الحمدللہ، ان شاءاللہ، ان شاءاللہ۔**

جب ہم گھر پہنچے تو تقریباً سارا محلہ محمود کا استقبال کرنے کے لیے جمع ہو گیا، ایک بڑے جشن کا سماں تھا، سب مرد اسے گلے لگا رہے تھے اور عورتیں میری ماں کو مبارکباد دے رہی تھیں اور کچھ زغردیں نکال رہی تھیں، گھر میں داخل ہونا مشکل ہو گیا کیونکہ گلی میں بہت بھیڑ تھی، ہمسائے گھر میں داخل ہو کر مبارکباد دے رہے تھے اور ہماری ماں اور بہن بھائی مہمانوں کو مٹھائیاں اور مشروبات پیش کر رہے تھے، لوگ محمود کو "باش مہندس" کہہ کر پکار رہے تھے اور اس سے مصر، یونیورسٹی، اور اس کی صحت کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔

سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور اندھیرا چھانے لگا، جس کے ساتھ ہی کرفیو کا

وقت قریب آ گیا، ہمسائے اپنے گھروں کو جانے لگے اور مبارکبادی کے کلمات دہرا رہے تھے، ہم سب محمود کے گرد بیٹھ گئے، ہماری فیملی اور چچا ابراہیم کا گھر بھی جو کہ ہمارے خاندان کا حصہ بن چکا تھا، باتیں شروع ہو گئیں، حسن اپنی دکان بند کر کے صرف پڑھائی پر توجہ دے گا، محمد اور میں اپنے خالو کے چھوٹے سے کارخانے میں کام کرنا چھوڑ دیں گے، ہم گھر میں ایک نیا کمرہ بنائیں گے، جس سے دو کمروں کی چھت بلند ہو جائے گی اور اس کی دیواریں اونچی کر کے اسبیسٹوس سے چھت ڈالی جائے گی، اور ہم گھر کی زمین کو سیمنٹ سے پکی کریں گے، یہ سب منصوبے تبھی پورے ہوں گے جب محمود نوکری پر لگے گا ور اپنے تنخواہ حاصل کرنا شروع کرے گا۔ یہ واضح تھا کہ محمود کیمپ کو نہیں چھوڑے گا، اور نہ ہی علاقے کو چھوڑ کر بیرون ملک کام کرنے جائے گا، وہ گھر اور خاندان سے دور تعلیم مکمل کرنے کے بعد واپس آ کر بہت خوش تھا، ہم نے محمود کی واپسی اور گریجویشن کی خوشی میں دو دن مزید گزارے اور مبارکباد دینے والوں کا استقبال کیا، تیسرے دن رات کو جب کرفیو کا وقت گزر چکا تھا اور ہم سو رہے تھے، تو ہم نے گاڑیوں کی آوازیں سنیں جو دوبارہ چل پڑی اور چلی گئیں، لیکن ہمیں اچانک صحن میں فوجیوں کی آوازیں سنائی دیں اور ان کی زور زور سے دروازے کھٹکھٹانے کی آوازیں آئیں اور انہوں نے ہمیں صحن میں باہر نکلنے کو کہا، میری ماں اور بہنوں نے جلدی سے اپنے سروں کو ڈھانپ لیا اور ہم سب باہر نکلے، محمود آگے آگے جا رہا تھا، تو ہم نے دیکھا کہ درجنوں فوجی گھر پر قابض ہیں اور ہر طرف سے ہم پر بندوقیں تانی ہوئی ہیں، میری ماں چیخ کر بولی، "تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ کیا چاہیے؟" ایک افسر نے محمود کی طرف دیکھ کر پوچھا "کیا تم محمود ہو؟" محمود نے جواب دیا، "ہاں، میں محمود ہوں" افسر نے کہا،

”تمہیں سرایا لے جانا ہے“ میری ماں چیخ کر بولی ”کیوں؟ کل ہی تو مصر سے واپس آیا ہے“ افسر نے کہا، ”انہیں صرف کچھ سوالات پوچھنے ہیں اور کل صبح تمہیں واپس بھیج دیں گے“ اس نے محمود سے ان کے ساتھ چلنے کو کہا، محمود نے کپڑے بدلنے کی درخواست کی، لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور اسے اسی حالت میں چلنے کو کہا، جب میری ماں باہر نکلنے کی کوشش کر رہی تھی تو انہوں نے اسے روک دیا اور دروازہ بند کر کے نکل گئے، گاڑیوں کے انجن کی آوازیں دور ہوتی گئیں، اس رات ہم سو نہ سکے، اور میری ماں چیخ رہی تھی، رو رہی تھی اور اپنی قسمت کو کوس رہی تھی، فاطمہ اور حسن اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہے تھے کہ محمود صبح تک واپس آجائے گا، کیونکہ افسر نے کہا تھا کہ انہیں صرف کچھ سوالات پوچھنے ہیں، لیکن وہ کہتی رہیں، ”کچھ سوالات؟ اگر انہیں کچھ سوالات پوچھنے تھے تو دن میں بلا لیتے، نوٹس بھیج کر، پھر اپنی قسمت کو روتیں، ہائے میری قسمت، ہائے میری قسمت، محمود، تم نے کیا کیا؟

صبح کے پہلے پہر میں اور کرفیو ختم ہونے کے بعد وہ اپنے ساتھ حسن کو لے کر سرایا چلی گئیں، وہاں گیٹ پر پہرا دینے والے فوجیوں نے انہیں روک دیا اور اندر جانے نہیں دیا جبکہ وہ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی کہ کیا ہوا ہے اور وہ محمود سے ملنا چاہتی ہیں، لیکن وہ کچھ نہیں سمجھے اور صرف یہی کہتے رہے، ”یہاں سے چلی جاؤ“ حسن نے اس کی حالت دیکھ کر انہیں سمجھایا کہ وہ انہیں اندر جانے نہیں دیں گے اور انہیں گیٹ کے سامنے انتظار کرنا ہوگا، وہ انہیں کھینچ کر سامنے والی طرف لے گیا اور بٹھا دیا، ایک گھنٹہ گزرتا گیا، پھر دوسرا.... محمود باہر نہیں نکل رہا تھا اور وہ جانا چاہتی تھیں، کبھی کوشش کرتی تھیں کہ اندر جائیں اور حسن انہیں روکتا تھا، انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتا تھا کہ وہ اندر نہیں جانے دیں گے اور ذلیل کریں

گے، ہم گھر میں حالتِ استنفار میں تھے اور ہم نے عام سوگ کا اعلان کر دیا تھا، اور ہم انتظار کر رہے تھے کہ ماں اور حسن محمود کے ساتھ واپس آئیں گے اور انتظار طویل ہو گیا۔

غروب کے قریب والدہ اور حسن واپس آئے، اپنے قدموں کو گھسیٹتے ہوئے اور ان کے چہروں پر غم چھایا ہوا تھا، اور ماں ایسی حالت میں تھی کہ میں نے کبھی ایسی بدتر حالت نہیں دیکھی تھی، حالت سوال کے لیے کافی تھی اور ہم میں سے کوئی بھی ایک لفظ بولنے کی جرات نہیں کر سکا، بلکہ ہر کوئی اپنے بستر پر جا گرا بغیر کسی آواز کے، حسن ان کے پاس بیٹھا تھا اور انہیں تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا، کہہ رہا تھا: کل میں ایک وکیل کے پاس جاؤں گا تا کہ ہم اسے محمود کے بارے میں پوچھنے اور اسکے معاملے کو دیکھنے کے لیے مقرر کر سکیں، اور ہم ریڈ کراس کو اس کی گرفتاری کی اطلاع دیں گے، ماں نے جواب دیا: میرا پاؤں تمہارے پاؤں پر ہے، تو اس نے اس سے اتفاق کیا۔

صبح سویرے دونوں دوبارہ روانہ ہو گئے تا کہ اس کام کو انجام دیں، ایک وکیل مقرر کیا اور ریڈ کراس کو اطلاع دی، انہیں اچھی طرح سمجھ آ گیا کہ ہمارے اور ان کے سامنے صرف انتظار ہے، کیونکہ کوئی معلومات ایک ماہ گزرنے سے پہلے واضح نہیں ہو سکتی، صرف انتظار اور صرف انتظار.... پہلے دن سیاہ، بھاری اور غمگین تھے، لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہمیں ہر مصیبت کے ساتھ جینے کی طاقت مل گئی ہے چاہے وہ کتنی ہی بڑی ہو، بس اس کے پہلے گھنٹوں اور دنوں کو گزارنا ہوتا ہے پھر معاملہ پہلے کی طرح عام ہو جاتا ہے جیسے ہر پچھلی مصیبت، اہم بات یہ ہے کہ ہمارے پچھلے تمام منصوبے منسوخ یا بہترین حالت میں ملتوی ہو گئے ہیں، حسن کو دکان پر کام جاری رکھنا تھا، اور مجھے اور محمد کو اپنے ماموں کی فیکٹری میں

صفائی اور ترتیب کے لیے جانا تھا۔

کچھ دن گزرنے کے بعد ماں حسن کو وکیل اور ریڈ کراس کے پاس لے جاتی تھیں، باقاعدگی سے ہفتے میں ایک یا دو بار، اور ایک ماہ سے زیادہ کے بعد، وکیل نے ہمیں بتایا کہ محمود کے خلاف الزامات کی فہرست تیار کی جائے گی اور اسے عدالت میں پیش کیا جائے گا، لیکن لگتا ہے کہ معاملہ سادہ ہے اور دو یا تین ہفتوں میں واضح ہو جائے گا، تقریباً دو ہفتے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ محمود کو عدالت میں پیش کیا گیا ہے، اور جج نے اس کی حراست میں دو مہینے کی توسیع کر دی ہے، دو ہفتے بعد ہمیں ریڈ کراس سے معلوم ہوا کہ محمود کی ملاقاتیں غزہ کے مرکزی جیل میں ہوں گی اور ہم اسے ہر مہینے کی پہلے جمعہ کو مل سکتے ہیں، اگلے مہینے سے شروع ہو کر۔

حسن نے ثانوی تعلیم مکمل کر لی تھی اور خاندان کی معاشی حالت کے پیش نظر جو اس کے مصر یا کہیں اور پڑھنے کے لیے سفر کرنے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی تھی، اس نے راضی ہو کر "یو این آر ڈبلیو اے" کے صنعتی اسکول میں داخلہ لے لیا اور مکینیکل فٹنگ اور مشیننگ کے شعبے میں قبول کیا گیا، اسے سال کے آغاز میں اسکول میں داخلہ لینا تھا جہاں دو سال کی تعلیم کے بعد صنعتی ڈپلومہ حاصل کرے گا۔ (جاری ہے......)

حفصہ منصور

2

سورۃ التکاثر

☆......خلیفہ راشد حضرت عمر فاروقؓ کا معیارِ زندگی:

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کا مقام و مرتبہ ہے اور آپ خلفائے راشدین میں دوسرے خلیفہ راشد ہیں آپ نے ان کے بارے میں یہ واقعہ سنا ہوگا کہ بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ تھا اور وہاں انکے بڑے بڑے پادری

موجود تھے جب مسلمانوں نے ان کا گھیراؤ کیا مگر بیت المقدس کا دروازہ نہ کھول سکے تو ان کے بڑے پادری نے کہا تم لوگ ہم سے زبردستی کیوں کر رہے ہو تم اسے فتح نہیں کر سکتے کیونکہ ہماری کتابوں میں اس شخصیت کے بارے میں لکھا ہوا ہے جو اسے فتح کرے گا اور وہ شخصیت تم لوگوں میں نظر نہیں آتی اس لیے تم اپنے امیر المؤمنین سے کہو کہ وہ آئے ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں اور اگر تو وہ وہی ہوئے تو بغیر لڑائی کے بیت المقدس تمہارا ہے۔فوج کے سپاہ سالار نے حضرت عمر کو خط لکھا اور سارا واقعہ بیان کر دیا چنانچہ حضرت عمرؓ اس طرح تشریف لائے کہ سواری ایک ہے اور آدمی دو ہیں ایک حضرت عمرؓ اور ایک آپ کے غلام۔

ذرا سوچیں کہ جس کے نام سے قیصر و کسری لرزتے ہوں کیا اس کے پاس دوسرا اونٹ نہیں ہوگا؟ مسلمانوں کے پاس سینکڑوں گھوڑے تھے اور دوسرے وسائل بھی تھے مگر آپ خلافت راشدہ اور خلیفہ راشد کا ایک نشان دینا چاہتے تھے کہ خلیفہ راشد کیسا ہوتا ہے اب تک اس زمین نے خلافت راشدہ کا نور اس طرح نہیں دیکھا تھا حضرت عمرؓ نے بتلایا کہ عام انسانوں کا جو معیار زندگی ہے خلیفہ راشد کا معیار زندگی بھی اسی طرح ہونا چاہئے اور میں خدا کی زمین پر اس طرح خلافت کروں جس طرح اس زمین پر خلافت کا حق ہوتا ہے۔

خیر حضرت عمرؓ اور آپ کے غلام مدینہ سے نکلے اور آپ نے اس کے ساتھ ایک معاہدہ کر لیا کہ تم سواری پر اتنی مسافت کرو گے اور میں اتنی کروں گا اب یہ دونوں جب بیت المقدس کے قریب پہنچے تو اتفاق کی بات یہ کہ سواری پر غلام کی باری تھی ادھر غلام پریشان ہے کہ بیت المقدس میں بڑے بڑے لوگ امیر المؤمنین کے منتظر ہیں اور آپ پیدل چل رہے

ہیں اور میں سواری پر ہوں تو لوگ کیا کہیں گے، اس نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ حضرت آپ سواری پر آ جائیں آپ نے فرمایا تو اپنی جگہ بیٹھا رہ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ بیت المقدس میں اس طرح داخل ہوئے کہ آپ پیدل چل رہے ہیں اور جونہی عیسائیوں کے بڑے پادری کی نظر آپ پر پڑی تو وہ ششدر رہ گیا اور آپ کو دیکھتے ہی بول پڑا کہ یہی وہ شخص ہیں جس کا ذکر ہماری پرانی کتابوں میں بطور پیشگوئی کے چلا آ رہا ہے کہ بیت المقدس کے فاتح اس شان کے ساتھ آئیں گے۔ آپ سوچیں کہ اگر اس وقت حضرت عمر سواری پر ہوتے تو کیا پادری لوگ متاثر ہوتے؟ نہیں۔ یہ حضرت عمر فاروقؓ کی شان تواضع تھی اور اللہ بھی چاہتے تھے کہ خلیفہ راشد اس شان کے ساتھ یہاں آئے تاکہ وہ پیشگوئی بھی پوری ہو جو ان کی کتابوں میں پہلے سے چلی آ رہی ہے اللہ تعالیٰ کا ارادہ پہلے سے طے تھا لیکن یہ ارادہ کس کے ہاتھوں پورا کرایا؟ حضرت عمر فاروقؓ کے ہاتھوں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے قارئین کو بیت المقدس کی فتح کا دلکش نظارہ کراتے چلیں۔

☆......**فتح بیت المقدس:**

ملک شام اگرچہ اب مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا مگر فلسطین ابھی پوری طرح مسلمانوں کے پاس نہ تھا اس پر عیسائیوں کا قبضہ تھا حضرت ابوعبیدہؓ نے چھوٹے چھوٹے علاقوں کے فتح کے بعد اپنے ساتھیوں کے مشورہ پر اب بیت المقدس کی جانب متوجہ ہونے کا ارادہ کیا اور اس کے لیے حضرت عمر فاروقؓ کو خط لکھا کہ مسلمان فوج قیساریہ کی طرف جائے یا

بیت المقدس کی جانب رخ کرے؟

حضرت عمر فاروقؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا حضرت علی مرتضیٰؓ آپ کے سب سے زیادہ قریب اور آپ کے وزیر و مشیر تھے انہوں نے بیت المقدس کی جانب لشکر کشی کی رائے دی، حضرت عمر فاروقؓ نے اس رائے کے مطابق حضرت ابوعبیدہؓ کو بیت المقدس کی جانب رخ کرنے کا حکم دیا اور لکھا کہ حضرت علیؓ نے مجھے یہ مشورہ دیا ہے اللہ اسے تمہارے ہاتھ پر ضرور فتح کرادے گا۔ (فتوح الشام ص ۴۱۳)

حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے حکم کے مطابق ایک لشکر تیار کر کے بیت المقدس کی جانب رخ کیا اور وہاں پہنچ کر اس شہر کا محاصرہ کرلیا آپ کے ساتھ ۳۰ ہزار کا لشکر تھا مسلمان فوج وہاں تین دن تک کھڑی رہی مگر اہل شہر میں سے کسی نے بھی ان کے ساتھ گفتگو نہیں کی تاہم انہوں نے اپنے شہر کو چاروں طرف سے مختلف ہتھیاروں کے ذریعہ محفوظ بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی کہ یہ جنگ مسلمانوں کے لیے آسان نہ ہو پائے۔ چوتھے یا پانچویں دن حضرت یزید بن ابی سفیان نے شہر کے دروازہ کے بالکل قریب ہو کر اس طرح آواز دی کہ اندر کے لوگ سن لیں آپ نے وہاں کھڑے ہو کر لوگوں اسلام کی دعوت دی اور کہا کہ اگر تم مسلمان نہیں ہوتے تو پھر جزیہ دینا قبول کرو اور اس طرح شہر اور اہل شہر کو بچالو اور اگر جزیہ نہ دو گے تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ ان شاء اللہ شکست تمہارے مقدر میں ہے۔

حضرت یزید بن سفیان کا یہ بیان جب اہل شہر نے سنا تو کہا کہ ہم مر جائیں گے مگر

اسلام قبول نہ کریں گے حضرت یزید بن سفیان کو جب پتہ چلا کہ شہر والے اسلام لانے کے لیے تیار ہیں نہ جزیہ دینا قبول کر رہے ہیں تو آپ اپنے ساتھیوں سے اس مشورہ کے لیے آئے آپ کے ساتھیوں نے کہا کہ چونکہ حضرت ابوعبیدہؓ نے ہمیں یہاں جنگ کے لیے نہیں بھیجا ہے اس لیے جنگ سے پہلے حضرت ابوعبیدہؓ کو صورت حال سے مطلع کر دیا جائے پھر جیسا آپ حکم دیں گے عمل کر لیا جائے گا چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے انہیں جہاد کی اجازت دے دی جب مسلمانوں کو پتہ چلا کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے انہیں جہاد کی اجازت دے دی ہے تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی مؤرخ شام علامہ واقدی لکھتے ہیں۔

مسلمان جنگ کے لیے اتنے تیار تھے کہ یہ رات انہوں نے اس طرح گزاری جیسے کوئی کسی آنے والے کے انتظار میں گزارتا ہے ہر امیر کی یہ خواہش تھی کہ بیت المقدس کی فتح کا سہرا ان کے سر بندھے اور وہی سب سے پہلے بیت المقدس میں داخل ہو اور نماز پڑھے اور انبیاء کرام کے آثار کی زیارت کرے۔

وكل أمير يريد أن يفتح على يديه فيتمتع بالصلاة فيه والنظر الى آثار الأنبياء. (فتوح الشام ص ۱۴۵)

نماز فجر کے بعد مختلف جماعتوں کے امیر دعاؤں میں مصروف رہے اور مقابلہ کے لیے تیاری ہونے لگی حضرت یزید بن سفیان نے اس وقت قرآن کریم کی اس آیت کی تلاوت فرمائی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے بیت المقدس کے بارے میں کہی تھی۔

يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِيْنَ. (پ٦ المائدة٢١)

(ترجمہ) اے قوم داخل ہو پاک زمین میں جو مقرر کر دی ہے اللہ نے تمہارے لیے اور نہ لوٹو اپنی پیٹھ کی طرف پھر نقصان میں جا پڑو گے۔

مسلمان جب مقابلہ کے لیے آگے بڑھے تو دوسری جانب سے تیروں کی بارش ہونے لگی نہ مسلمان اس شہر پر قابض ہو سکے اور نہ وہ مسلمانوں کو بھاگنے پر مجبور کر سکے دس دن سے زائد اس جنگ کو ہو گئے مگر اب تک کوئی نتیجہ سامنے نہ آیا اسی دوران حضرت ابو عبیدہؓ ایک بڑے لشکر کے ساتھ یہاں تشریف لے آئے آپ کے آنے پر مسلمانوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی کہ پورا علاقہ اللہ اکبر کی صدا سے گونج اُٹھا مسلمانوں کے اس جم غفیر اور ان کے آنے کی خبر سن کر بیت المقدس والے سخت خوف میں مبتلا ہو گئے اور ان کے تمام سردار اور جنرل اپنے مذہبی پیشوا پوپ کے پاس آئے پوپ نے ان کے آنے اور ایک شور بپا ہونے کا سبب معلوم کیا تو اسے بتایا گیا کہ مسلمانوں کا امیر اپنی ایک بڑی فوج کے ساتھ آ گیا ہے یہ خبر سنتے ہی پوپ کا رنگ فق ہو گیا اور افسوس کرتے ہوئے کہا کہ ہائے اب کیا ہوگا۔ جب پوپ سے پوچھا گیا تو وہ کیا بات ہے جس نے اسے اس قدر پریشان کر دیا تو اس نے کہا:

وحق الانجيل أن كان قدم اميرهم فقد دنا هلاككم والسلام قالوا: وكيف ذلك قال: لانا نجد فى العلم الذى ورثناه عن المتقدمين أن الذى يفتح الأرض فى الطول والعرض

هـو الـرجـل الاسمر الأحور المسمى بعمر صاحب نبيهم محمد فان كان قد قدم فلا سبيل لقتاله ولا طاقه لكم بنزاله ولا بد لى أن اشـرف عـليـه وانـظـر اليه والى صورته فان كان اياه عمدت الى مصالحته واجبته الى ما يريد وأن كان غيره فلا نسلم اليه قط لأن مـديـنتنا لا تفتح الا على يد من ذكرته لكم والسلام. (فتوح الشام ص ۱۴۶)

انجیل مقدس کی قسم اگر فی الواقع آنے والا ان کا امیر اور سردار ہے تو اب تمہاری ہلاکت کو کوئی نہیں روک سکتا جو بات ہمیں پرانی کتابوں اور پیشواؤں سے ملیں ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمین کا فاتح ایک گندم گوں رنگ اور کالی کالی آنکھوں والا ایک شخص ہوگا جس کا نام عمر ہوگا وہ ان کے نبی کا صحابی ہوگا یادرکھو اگر یہ وہی ہوا تو پھر تم اس کا مقابلہ کر سکتے ہو اور نہ تم میں اس کی طاقت ہے اس لیے اچھا ہوگا کہ میں پہلے جا کر اس امیر کی شکل وصورت دیکھ آؤں اگر وہ وہی ہوا جس کی خبر ہماری کتابوں میں دی گئی ہے تو پھر تم اس کے ساتھ مصالحت کر لینا اور اس کے مطالبات تسلیم کر لینا اور اگر وہ نہ ہوا تو پھر فکر کی کوئی بات نہیں اس شخص کے سوا اس شہر کو کوئی اور فتح نہیں کر سکتا اس لیے میں یہ شہر کسی دوسرے کو ہرگز نہیں دوں گا۔

چنانچہ پوپ اپنے دوسرے مذہبی رہنماؤں اور سرداروں کو لے کر شہر کے دروازے پر

آیا اور اس نے چھپ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ مسلمان فوج حضرت ابوعبیدہؓ کے ارد گرد جمع ہے اور بڑی عزت کے ساتھ ان کو سلام کر کے ایک طرف ہو جاتے ہیں پوپ نے اپنے آدمی کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کو آواز دیں اور ان سے کہیں کہ وہ فی الحال لڑائی روک دیں ہم تم سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ کہ یہ شہر جس کے ہاتھوں فتح ہونے والا ہے چونکہ اس کی پوری علامتیں ہمارے پاس موجود ہیں اس لیے اگر تمہارا یہ سردار وہی ہے تو ہم بغیر کسی لڑائی کے یہ شہر ان کے حوالہ کرنے کو تیار ہیں اور اگر یہ وہ نہیں تو پھر ہم قیامت تک یہ شہر تمہیں نہیں دیں گے جو چاہو کر لو یہ شہر تمہارے ہاتھ نہیں آسکتا۔

مسلمانوں نے جب یہ آواز سنی تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کو اس کی خبر دی اور آپ نے انہیں ملاقات کی اجازت دی چنانچہ پوپ اپنے آدمیوں سمیت آپ کے پاس آیا اور آپ کو بغور دیکھ کر کہا کہ یہ وہ آدمی نہیں ہے اور پھر اس نے اپنے لوگوں کو خوشخبری دی کہ فکر کی کوئی بات نہیں ان سے لڑو کیونکہ یہ وہ نہیں ہیں جس کا ذکر ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں چنانچہ لڑائی کا میدان پھر سے گرم ہو گیا۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے جب حضرت خالدؓ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو حضرت خالد نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیچھے ضرور کوئی ایسا راز ہے جو ہو سکتا ہے کہ بعد میں کسی وقت ہم پر کھلے اس لیے سر دست ان کے ساتھ مقابلہ کی تیاری میں کوئی کمی نہ ہونی چاہیے۔

مسلمانوں نے چار ماہ تک بیت المقدس کا محاصرہ جاری رکھا اہل شہر اندر سے مسلمانوں پر تیر برسا رہے تھے ان کی کوشش تھی کہ مسلمان کسی طرح محاصرہ ختم کر دیں اور

علاقے سے نکل جائیں مگر مسلمانوں نے بھی ہمت نہ ہاری اور مقابلہ کے دوران پیچھے نہ ہٹے بیت المقدس کے لوگوں نے جب دیکھا کہ یہ معاملہ کسی طرح بھی ختم نہیں ہو رہا ہے تو وہ ایک بار پھر اپنے مذہبی پیشوا کے پاس آئے اور کہا کہ یہ عرب کے باشندے ہم سے بھی زیادہ سخت جان اور لڑائی کے شوقین معلوم ہوتے ہیں اس لڑائی میں طرفین کا نقصان ہو رہا ہے یہ لوگ ہمارا محاصرہ کئے ہوئے ہیں ہم ان سے بات نہیں کر رہے آخر کب تک ہم ان حالات کا مقابلہ کرتے رہیں گے اور کب ہماری جان اس سے چھوٹے گی اس لیے آپ ان کے پاس جائیے اور ان سے بات کیجئے کہ وہ چاہتے کیا ہیں اگر ان کا مطالبہ معقول ہے تو آپ وہ پورا کر دیں اگر یہ مطالبہ درست نہیں تو پھر روز روز کی لڑائی سے اچھا ہے کہ ہم ان کے ساتھ ایک فیصلہ کن جنگ لڑئیں اور انہیں ختم کر دیں یا ہم پھر ختم ہو جائیں چنانچہ اہل شہر کی درخواست پر پوپ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو گفتگو کی دعوت دی جب آپ وہاں تشریف لائے تو پوپ نے بیت المقدس کی عظمت و تقدس اور اس کا ادب و احترام بیان کیا اور کہا کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اس کی طرف میلی نگاہ کرنے والا برباد ہو جائے گا حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا ہاں......ہمیں اس شہر کی عظمت و وقار کا بخوبی علم ہے ہمارے نبی اقدس ﷺ یہیں سے معراج پر گئے تھے یہ علاقہ انبیاء کرام کا مسکن و معدن ہے ہمارا حق اس پر تم سے زیادہ ہے اس لیے ہم اس کا محاصرہ کئے رکھیں گے جب تک کہ اللہ ہمیں یہ شہر نہ دے دے۔

جب گفتگو نے طول پکڑی اور بات وہیں کی وہیں رہی تو پوپ نے کہا کہ اگر تم بیس سال تک بھی یہاں پڑے رہو گے اور اس کا محاصرہ کئے رہو گے تب بھی تم اس شہر پر قبضہ نہیں

کر سکتے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اسے وہی شخص فتح کر سکے گا جس میں کچھ خاص قسم کی علامات پائی جائیں گی اور وہ علامتیں ہماری کتابوں میں موجود ہے اور اس وقت تم میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس میں یہ علامتیں موجود ہوں حضرت ابوعبیدہؓ نے پوچھا کہ بتایئے وہ کون سی علامات ہیں جو اس شخص میں پائی جائیں گی تو پوپ نے تفصیل میں جائے بغیر کہا:

انہ یفتح ھذہ البلدۃ صاحب محمد اسمہ عمر یعرف بالفاروق وھو رجل شدید لا تأخذہ فی اللّٰہ لومۃ لائم ولسنا نری صفتہ فیکم. (فتوح الشام ص ۱۴۷)

اس شہر کو فتح کرنے والا محمد ﷺ کا ایک صحابی ہوگا اس کا نام عمر اور لقب فاروق ہوگا وہ خدا کے بارے میں نہایت سخت اور اللہ کے کاموں میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کرے گا اور یہ شان میں تمہارے اندر نہیں دیکھ رہا ہوں۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے جب یہ بات سنی تو آپ مسکرا اُٹھے اور فرمایا کہ رب کعبہ کی قسم اب ہم نے یہ شہر فتح کرلیا(**فلما سمع ابو عبیدۃ ذلک من کلام البترک تبسم ضاحکا وقال فتحنا البلد ورب الکعبۃ**) (ایضاج ۱ص ۲۲۵) اور پوپ سے کہا کہ بتاؤ اگر تم اسے دیکھ لو تو کیا تم اسے پہچان لوگے؟ اس نے کہا چونکہ ہم اس کی تفصیل اپنی کتابوں میں پاتے ہیں اس لیے ضرور پہچان لیں گے۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا کہ تم نے جس آدمی کا نام بتایا ہے بخدا وہ ہم مسلمانوں کا

خلیفہ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی ہے پوپ نے کہا کہ اگر واقعی ایسا ہے تو اسے خبر بھیج دو کہ وہ ہمارے پاس آئے تا کہ یہ لڑائی اور خون ریزی بند ہو جائے اور ہم انہیں پہچان کر یہ شہر بھی ان کے حوالہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔

حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو یا یہ محض یہ ایک وقت گزاری ہے؟ اس نے کہا کہ جب ہم لڑائی کو ختم کرنے کی بات کرنا چاہتے ہیں تو آپ ہماری نیت پر شک نہ کریں ہم اس بارے میں جو کچھ کہہ رہے ہیں واقعی صحیح کہہ رہے ہیں چنانچہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے جنگ بندی کا حکم دیا اور آپ مسلمانوں میں واپس تشریف لے آئے مؤرخ شام علامہ واقدی لکھتے ہیں کہ

حضرت ابو عبیدہؓ نے محض آزمانے کے لیے حضرت خالد بن ولیدؓ کو جو حضرت عمر فاروقؓ سے کچھ زیادہ مشابہت رکھتے تھے اس کے لیے تیار کیا کہ وہ شہر کے قریب چند ساتھیوں کے ساتھ جائیں تا کہ دیکھیں کہ پوپ انہیں دیکھ کر کیا رائے قائم کرتا ہے چنانچہ جب حضرت خالدؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ شہر کے دروازہ کے پاس آئے اور آواز دی کہ آپ لوگ جسے دیکھنے کے منتظر ہیں وہ آ گئے ہیں چنانچہ پوپ نے جب حضرت خالد بن ولید کو دیکھا تو کہا:

مسیح کی قسم...... یہ اس کے مشابہ ضرور ہیں مگر یہ وہ نہیں ہیں کیونکہ بعض علامات ان میں نہیں ہیں (**وحق المسیح کأنه هو ولکن باقی العلامات ما هی فیه**) پھر اس نے پوچھا کہ آپ کون ہیں حضرت خالد نے بتایا کہ میں ان کے ساتھیوں میں سے ایک ہوں

پوپ نے کہا آپ لوگ ایسا نہ کریں بے شک تم لوگ بیس سال تک اس شہر کا محاصر کئے رکھو مگر یہ شہر تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا اس کا فاتح کوئی اور ہے یہ کہہ کر پوپ واپس چلا گیا۔

ولا يرجع أحد منا يكلمكم ولا أقمتم علينا عشرين سنة ثم ولى ولم يتكلم (فتوح الشام ص ۱۴۸)

حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے یہ ساری تفصیل حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں لکھ بھیجی اور عرض کیا کہ چونکہ معاملہ اب آپ کی ذات پر آ گیا ہے اس لیے اگر آپ تشریف لے آئیں تو مسلمانوں کو عزت نصیب ہوگی اور یہ شہر بھی فتح ہو جائے گا حضرت ابوعبیدہؓ کا خط فتوح الشام کے ص ۲۲۴ پر موجود ہے۔

جناب میسرہ بن مسروق یہ خط لے کر مدینہ منورہ آئے تو رات ہو چکی تھی آپ مسجد نبوی میں آئے نماز ادا کی اور روضہ اقدس پر حاضری دی چونکہ تھکاوٹ تھی اس لیے آپ سو گئے حضرت عمر فاروقؓ جب نماز فجر کے لیے آئے تو آپ نے انہیں سلام کیا حضرت عمرؓ نے ان سے شام کے حالات پوچھے تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہؓ کا خط آپ کی خدمت میں پیش کر دیا حضرت عمر فاروقؓ نے بلند آواز سے یہ خط حاضرین کو سنایا اور پھر ان سے مشورہ مانگا کچھ لوگوں نے آپ کو سفر نہ کرنے کا مشورہ دیا تاہم حضرت علی مرتضیٰؓ نے رائے دی کہ آپ کو بیت المقدس کا سفر کرنا چاہیے حضرت علیؓ نے فرمایا:

اگر آپ تشریف لے جائیں گے تو مجھے اللہ سے اُمید ہے کہ وہ آپ کے ہاتھ سے اس شہر کو ضرور فتح کرا دیں گے اور اس سفر میں پیش آنے والی تکلیف پر اللہ آپ کو بہترین جزا

دے گا آپ کے جانے سے مسلمانوں کو ہمت ہوگی اور انہیں فتح نصیب ہوگی اور اگر آپ نہ گئے تو خطرہ ہے کہ مسلمانوں کو صلح کرنی پڑے کیونکہ عیسائی اس جگہ کو چھوڑ کر جانے والے نہیں ان کے نزدیک وہ ایک مقدس مقام ہے ہوسکتا ہے کہ پھر وہ اپنی مدد کے لیے دوسرے لوگوں سے بھی مدد طلب کریں اس لیے آپ کا جانا مناسب ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے یہ رائے پسند کی اور فرمایا میں حضرت علیؓ کے مشورے پر عمل کروں گا میں انہیں محمود المشورہ اور مبارک صورت دیکھ رہا ہوں۔

ولست أخذ الا بمشورة على فما عرفناه الا محمود المشورة ميمون الغرة (فتوح الشام ص ۱۴۸)

حضرت عمر فاروق نے جب بیت المقدس کے سفر کا ارادہ فرما لیا تو آپ سب سے پہلے مسجد نبوی تشریف لائے نماز ادا کی روضہ اقدس پر صلوۃ وسلام پیش کیا پھر حضرت ابوبکرؓ کو سلام کیا اور حضرت علی مرتضیٰؓ کو اپنا جانشین بنایا اور امور خلافت ان کے حوالے کر کے رجب ۱۶ ہجری کو آپ بیت المقدس کے لیے نکل پڑے۔

وَاسْتَخْلَفَ عَلَى الْمَدِيْنَةِ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ

(البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۵۵)

سفر کے دوران جہاں رات آجاتی آپ وہاں پڑاؤ کرتے اور نمازِ صبح کے بعد دُعا فرماتے اور سفر پھر سے شروع کر دیتے اسی سفر میں ایک مقام پر دو اہم مقدمات اور تنازعات آپ کے پاس لائے گئے اور آپ نے فریقین کا مقدمہ سن کر اس کا فیصلہ کیا اور پھر سختی سے

دونوں کو ہدایت دی کہ آئندہ ایسا نہ کرنا ورنہ سزا دی جائے گی۔

آپ جہاں جہاں سے گزرتے اس علاقے کے مسلمان اپنے گھروں اور علاقوں سے دیوانہ وار آپ کی زیارت کے لیے نکل آتے اور امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کو دیکھ کر ان کا ایمان اور تازہ ہو جاتا تھا۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے مقام جابیہ میں آپ کا استقبال کیا ملک شام کے بعض عمال جب آپ سے ملنے آئے تو آپ نے دیکھا کہ ان کے بدن پر نئے کپڑے ہیں حضرت عمر فاروقؓ نے انہیں اس حال میں دیکھا تو ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا؟ تم نے بڑی جلدی عجمی عادتیں اپنا لیں؟ جب انہوں نے کہا کہ یہ محض ظاہر میں ہے ورنہ ان کپڑوں کے نیچے تلواریں بھی ہیں تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ پھر کچھ حرج نہیں۔ (اشاعت اسلام ص ۴۳۱)

آپ نے مقام جابیہ میں قیام فرمایا مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت آپ کے پاس جمع تھی آپ نے ان سب کو نصیحتیں فرمائیں جب نماز کا وقت ہوا تو آپ نے حضرت بلال حبشی سے فرمایا کہ وہ اذان دیں انہوں نے کہا کہ میں نے یہ عزم کر لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کے لیے اذان نہ دوں گا لیکن آج آپ نے چونکہ حکم فرمایا ہے اس لیے ضرور دوں گا حضرت بلالؓ نے جونہی اذان شروع کی وہاں موجود صحابہ کرامؓ پر رقت طاری ہو گئی اور وہ سب کے سب رسول اللہ ﷺ کے دور اقدس میں کھو گئے جب حضرت بلال أشهد أن محمدا رسول الله پر پہنچے تو ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر نہ

ہوئی ہوں حضرت عمر فاروقؓ بھی رو پڑے حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت معاذؓ روتے روتے بے تاب ہو گئے۔

(بكى الناس بكاء شديدا حتى كادت قلوبهم أن تتصدع عند ذكر الله ورسوله)

حضرت عمر فاروق نے نماز پڑھا کر حاضرین مجلس کی باتوں اور شکایتوں کو سنا اور متعلقہ اداروں کو ان شکایات کے دور کرنے کی تاکید فرمائی اور علاقے کے عمال کو نصیحتیں کیں۔

جب آپ بیت المقدس کی جانب چلنے لگے تو آپ کے بدن پر ایک پھٹا پرانا کپڑا تھا جس میں تقریباً چودہ پندرہ پیوند لگے ہوئے تھے مسلمانوں نے کہا کہ اگر آپ اونٹ کے بجائے گھوڑے پر سوار ہو جائیں اور اس پھٹے پرانے کپڑے کو اتار کر نیا کپڑا زیب تن فرما لیں تو اس سے دشمنوں پر اچھا خاصا اثر پڑے گا۔ آپ نے مسلمانوں کی درخواست پر نئے کپڑے پہن لیے اور ایک عمدہ نسل کا گھوڑا جو آپ کے لیے تیار تھا اس پر تشریف فرما ہوئے ابھی تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ گھوڑا شوخی کرتے ہوئے نزاکت سے چلنے لگا حضرت عمر فاروق گھوڑے سے مخاطب ہوئے اور کہا ''یہ غرور کی چال تم نے کب سے سیکھ لی ہے قریب تھا کہ میرے دل میں بھی اس عجب و تکبر کا کوئی اثر آ جاتا اور قیامت کے دن یہ میری ہلاکت کا سبب بن جاتا''

فلما صار عمر على ظهره جعل البرذون يهملج به فلما نظر

عـمـر الـى البـرذون وفـعاله نزل عنه مسرعا وقال: أقيلوا عثرتي اقـال الـلّٰـه عثـرتـكـم يوم القيامة فقد كاد اميركم أن يهلك بما دخل من العجب والكبر. (فتوح الشام ص۱۵۱)

جب آپ بیت المقدس کے قریب پہنچے اور اس پر نظر پڑی تو آپ کی زبان پر یہ دُعا آ گئی:

اللّٰهم افتح لنا فتحا يسيرا واجعل لنا من لدنك سلطانا نصيرا.

اے اللہ آپ سب سے بڑے ہیں اور اللہ ہمارے لیے اس فتح کو آسان کر دیں اور اپنی جانب سے ہمارے لیے مدد دینے والا غلبہ عنایت فرمائیں۔

(نوٹ) یہ واقعہ شیعہ مؤرخ مرزا تقی نے ناسخ التواریخ میں بھی بیان کیا ہے۔

(دیکھئے ج۲ص ۱۸۷)

حضرت عمر فاروقؓ جب بیت المقدس کے بالکل قریب پہنچے اور مسلمانوں کی جماعت نے جب اپنے امیر المؤمنین کو دیکھا تو خوشی کے مارے نعرہ تکبیر بلند کیا مسلمانوں کی آواز دور دور تک سنائی دی شہر کے لوگوں نے بڑے دنوں کے بعد نعرہ تکبیر سنا تو انہیں تعجب ہوا کہ کیا بات پیش آ گئی ہے جس کی وجہ سے یہ نعرہ لگایا گیا؟ جب انہیں معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے امیر آئے ہیں تو وہ دوڑے دوڑے اپنے مذہبی رہنما پوپ کے پاس گئے اور اسے بتایا کہ مسلمانوں کے امیر ہمارے علاقے میں آ گئے ہیں۔

حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ سے فرمایا کہ بیت المقدس کے حاکموں کو

ہمارے آنے کی انہیں اطلاع کر دو حضرت ابو عبیدہؓ نے حکم کی تعمیل فرمائی پوپ اپنے تمام سرداروں اور مذہبی ساز و سامان کے ساتھ باہر آیا بیت المقدس کا حاکم اور والی بھی اس کے ساتھ تھا پوپ نے حضرت ابو عبیدہؓ سے کہا کہ اگر واقعی تمہارے امیر آ گئے ہیں تو انہیں کہا جائے کہ وہ ہمارے سامنے اس طرح آئیں کہ وہ تنہا اور علیحدہ ہوں سب کے ساتھ ملے جلے نہ ہوں تا کہ ہم انہیں اچھی طرح دیکھ سکیں اگر تمہارے امیر وہی ہوئے جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں تو یہ شہر آپ کے حوالے......اگر نہیں تو اب آگے تلوار ہی ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے جب یہ بات سنی تو فرمایا کہ جس طرح وہ چاہتے ہیں ہم جانے کے لیے تیار ہیں صحابہ نے عرض کیا کہ آپ کا اس طرح اکیلے نکلنا ٹھیک نہیں ہے کہیں یہ لوگ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں آپ کے پاس کوئی جنگی ہتھیار بھی نہیں کہ آپ ان کا دفاع کر سکیں۔

ولیس علیک آلة حرب غیرہ هذه المرقعة وأنا نخشی علیک منهم غدرا أو مکرا فینالون منک (ص ۱۵۲)

آپ نے اس پر قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ. (پ۱۰، التوبۃ ۵۱)

(ترجمہ) تو کہہ دے ہم کو ہرگز نہ پہنچے گا مگر وہی جو لکھ دیا ہے اللہ نے ہمارے لیے وہی ہے کارساز ہمارا اور اللہ ہی پر چاہیئے کہ بھروسہ کریں۔

حضرت عمر فاروقؓ اپنے اسی اونٹ پر سوار ہوئے اپنی پرانی چادر اپنے اوپر لی اور حضرت ابوعبیدہؓ کے ہمراہ اسی درویشانہ اور فقیرانہ ادا میں چل پڑے ادھر پوپ اور دیگر سرکاری اور مذہبی رہنما مسلمانوں کے امیر کی زیارت کرنے کو بے تاب تھے حضرت عمر فاروقؓ جب پوپ کے قریب پہنچے تو حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے کہا کہ یہ ہمارے امیر المؤمنین عمر فاروقؓ ہیں پوپ نے حضرت عمر فاروقؓ کو دیکھا تو چیخ پڑا اور کہا:

هـذا والـلّٰه الذى نجد صفته ونعته فى كتبنا ومن يكون فتح بـلادنـا عـلـى يـديـه بـلا محالة ثم انه قال لأهل بيت المقدس: يا ويـحكم انزلوا اليه واعقدوا معه الأمان والذمة هذا واللّٰه صاحب محمد بن عبداللّٰه. (فتوح الشام ص۱۵۲)

خدا کی قسم یہ شخص وہی ہے جسکی صفت وخوبیاں اور نشانیاں ہماری کتابوں میں ہیں اور یہی ہے وہ شخص جس کے ہاتھ سے ہمارا شہر فتح ہوگا اور یہ یقیناً ایسا ہی ہوگا۔

(فتوح الشام ص۴۳۸)

پھر پوپ اپنے ساتھیوں کی جانب متوجہ ہوکر کہنے لگا:

دوڑو......اور اس شخص کے پاس جاؤ اور امن وامان اور ذمہ کا عہد لے لو واللہ یہ وہی آدمی ہے محمد بن عبداللہ کا صحابی یہی شخص ہے۔ (ایضاص ۴۳۸)

چنانچہ رومی لوگ اپنے دروازے کی جانب بھاگے اور دروازہ کھول کر حضرت عمر فاروقؓ کے پاس آئے اور آپ سے امن وامان کی درخواست کرتے ہوئے جزیہ دینے کا

اقرار کیا اور پھر شہر کی چابیاں آپ کے حوالہ کر دیں حضرت عمر فاروقؓ نے جب یہ منظر دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور آپ اونٹ پر ہی اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو گئے اور ان سے کہا کہ ’’جس طرح تم چاہتے ہو اس طرح ہو گا اگر تم نے یہ اقرار کیا تو تمہارے لیے ذمہ اور امان ہو گا جاؤ اب شہر کی طرف لوٹ جاؤ‘‘ اور آپ پھر اپنے خیمے میں لوٹ آئے۔

حضرت عمر فاروقؓ دوسرے دن نمازِ فجر کے بعد بیت المقدس میں اس دروازے سے داخل ہوئے جہاں سے رسول اللہ ﷺ معراج والی رات داخل ہوئے تھے آپ سب سے پہلے مسجد میں آئے محراب داؤدی میں سجدہ کیا اور پھر تیسرے دن آپ نے صبح کی نماز پڑھائی آپ نے پہلی رکعت میں سورہ ص اور دوسری رکعت میں سورہ بنی اسرائیل پڑھی بعد ازاں آپ صخرہ کے پاس آئے اور صخرہ کے ادب واحترام میں اس پر پڑی گندگیوں کو اپنی چادر سے صاف کیا۔ اس دن سے صخرہ مسلمانوں کی نگرانی میں آ گیا بعد میں ملک بن مروان نے بڑی توجہ سے اس پر ایک گنبد تعمیر کرایا تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ بیت المقدس میں عیسائیوں کے گرجا گھر بھی گئے اور وہاں کی ہر چیز کا معائنہ کیا جب نماز کا وقت آیا تو پوپ نے کہا کہ آپ نماز یہاں ادا کر لیں آپ نے معذوری ظاہر کر دی اور باہر زینہ پر آ کر نماز ادا کی اور کہا کہ اگر آج میں تمہارے اس گرجا میں نماز پڑھ لیتا تو کل مسلمان اس پر یہ کہہ کر قبضہ جما لیتے کہ یہاں ہمارے خلیفہ نے نماز ادا کی ہے آپ اتوار کے دن بیت المقدس داخل ہوئے اور جمعہ تک وہاں مقیم رہے ایک روایت کے مطابق آپ نے وہاں دس دن قیام فرمایا اور وہاں ایک مسجد بھی بنائی۔

مؤرخ شام علامہ واقدی کے بیان کے مطابق اس موقع پر بعض رومیوں نے غداری کرنے کا ارادہ کیا تھا اور کچھ لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جب مسلمان نماز میں مصروف ہوں تو ہم ان پر حملہ کر کے ان کو وہیں ختم کر دیں ابوالجعید کو جب اس سازش کا پتہ چلا تو انہوں نے انہیں خبر دار کیا اور کہا کہ ہرگز ایسا نہ کرنا البتہ اگر تم ان کو آزمانا یا ان پر قابو پانا چاہتے ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کے سامنے مال و دولت پیش کر دو اگر یہ چیزیں انہیں محبوب ہو جائیں تو پھر تمہارا مقصد آسانی سے حاصل ہو جائے گا چنانچہ رومیوں نے مسلمانوں کو ورغلانے کے لیے مال و دولت کا ایک انبار ان کے راستے میں رکھ دیا مسلمان جب وہاں سے گزرے تو انہوں نے اس قدر مال و دولت اور ساز و سامان کو دیکھ کر حیرت کا اظہار ضرور کیا مگر ان میں سے کسی کے دل میں اس کی رغبت تو کجا خیال تک نہ آیا اور وہ سب کے سب اللہ کی حمد و ثناء کرتے ہوئے آگے نکل گئے رومی یہ دیکھ کر حیران رہ گئے اس وقت ابوالجعید نے رومیوں سے کہا یہی وہ جماعت ہے جن کی تعریف اللہ نے توریت و انجیل میں بیان کی ہے یہ لوگ ہمیشہ حق پر رہیں گے اور جب تک یہ حق کا دامن تھامے رہیں گے دنیا کی کوئی قوم ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کر سکتی۔ (فتوح الشام ص۴۳۹)

فجعل المسلمون ينظرون الى ذالک فی دخولهم وخروجهم وهم يعجبون منهم ولم يمل أحد منهم اليه ولم يلمسه...... هؤلاء القوم الذين وصفهم اللّٰه فی التوراة والانجيل وانهم لا يزالون على الحق ولا يقربهم احد ما داموا على ما هم عليه. (فتوح الشام ص۱۵۳)

بیت المقدس انبیاء کرام کا مسکن و مدفن ہے اور دنیا کے تینوں بڑے مذاہب اس کا ادب واحترام کرتے ہیں۔قرآن کریم میں اسے بابرکت زمین کہا گیا ہے اور یہ مسلمانوں کا قبلہ اول بھی رہا اللہ تعالیٰ نے اس کی فتح کا سہرہ حضرت عمر فاروق کے سر سجا دیا اور آپ فاتح بیت المقدس کہلائے۔حضور ﷺ نے یہاں معراج کی رات انبیاء کرام علیہم السلام کی نماز میں امامت فرمائی تھی اور آپ کے بعد یہ شرف حضرت عمر فاروقؓ کے نصیب میں آیا اور آپ سب مسلمانوں کے امام ہوئے آپ اس باب میں حضور ﷺ کے نائب ٹھہرے۔

علم الٰہی میں تھا کہ ایک وقت آئے گا جب حضرت عمر فاروق خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر اس شہر پر اسلام کا پرچم لہرائیں گے اور اللہ کی توحید اور حضور ﷺ کی نبوت ورسالت کی آواز سے اس شہر کے درو دیوار گونجیں گے اللہ تعالیٰ نے پہلی کتابوں میں حضور ﷺ کی بعثت کی خبر کے ساتھ ساتھ بہت سی ایسی خبریں بھی دیں جن کا تعلق صحابہ کرامؓ کے ساتھ تھا انہی خبروں میں حضرت عمر فاروق کے ہاتھوں بیت المقدس کی فتح کی خبر بھی تھی اہل کتاب علماء انہی خبروں اور علامتوں کی روشنی میں فاتح بیت المقدس کو دیکھ رہے تھے اس بارے میں انہیں کوئی شک تھا اور نہ وہ کسی دھوکہ میں مبتلا تھے یہی وجہ ہے کہ جب ان کی نظر حضرت عمر فاروقؓ پر پڑی تو وہ بے ساختہ پکار اُٹھے کہ یہی بیت المقدس کا والی ہے اگر علماء اہل کتاب کو اس بارے میں ذرا سا بھی شبہ ہوتا تو آپ ہی سوچیں کہ کیا وہ اپنا گھر وطن اور دلی عقیدتوں کا مرکز اس طرح آسانی سے مسلمانوں کے حوالہ کر دیتے؟ اسقف اعظم (پوپ) کا حضرت عمر کو بیت المقدس حوالہ کر دینا بتاتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کا ذکر خیر پچھلی کتابوں میں بہت

واضح اور روشن تھا۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں روٹی آ گئی اور روٹی پر کچھ گھی بھی لگا ہوا تھا آپ نے ان سے پوچھا کہ بتلاؤ عام لوگ بھی کیا اس طرح نرم و نازک روٹی کھا رہے ہیں لوگوں نے کہا کہ نہیں آپ نے فرمایا کہ میں بھی نہیں کھاؤں گا مجھے شرم آتی ہے کہ میں یہ روٹی کس طرح کھالوں جبکہ یہ ایک عام انسان نہیں کھا رہا ہے۔ قیامت کے دن میں کس طرح اللہ کو منہ دکھاؤں گا۔ اللہ فرمائے گا کہ تو اس پیغمبر خاتم کا خلیفہ کہلایا مگر وہ معیارِ زندگی پیش نہ کر سکا۔

جن کی مرضی میں خدا کی مرضی:

خلفائے راشدین کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی مرضی کو اللہ نے اپنی مرضی کے ساتھ ملا دیا تھا اللہ نے اپنی مرضی ان کی مرضی میں اتار دی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لوگ کہہ رہے تھے اس طرح جائیں اور منشاء خداوندی یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہم پیدل جائیں اس مقدس گروہ کی شان یہ کہ جن کی مرضی میں خدا نے اپنی مرضی ملا دی ہو۔

خلیفہ راشد کا نشان کیا؟ یہ نہیں کہ سلطنت میں کتنا ہے۔ بیت المال میں کتنا ہے بلکہ عام انسانی معیار کے مطابق اس کی زندگی ہے یا نہیں؟ آگے وہ جائے یا نہ جائے مال زیادہ آئے یا نہ؟ اگر آتا ہے تو اپنے لیے نہیں اپنی اولاد کے لیے نہیں؟ قوم کے لیے ہوتا ہے اور قوم پر خرچ ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

خواتین کا دینی نصاب

اُم مجاہد

بناؤ سنگھار کے شرعی احکام

بناؤ سنگھار اگر جائز حدود میں ہو تو اسلام کی نظر میں نہ صرف جائز ہے بلکہ خواتین کے لیے تو بہت سی صورتوں میں مستحسن اور باعثِ ثواب بھی ہے۔ البتہ یہی بناؤ سنگھار اگر حدود سے بڑھ جائے تو معاشرہ بدنظری اور فحاشی کی آگ میں جھلس جاتا ہے۔ ایک منفرد اور جامع تحریر!

اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم کو انتہائی تناسب اور اعتدال کے ساتھ بنایا ہے۔ پھر پورے جسم میں چہرے کو ہر اعتبار سے بنیادی اور مرکزی حیثیت عطا کی ہے۔ حسن و جمال اور آرائش و زیبائش ہر طرح چہرہ ہی ہماری توجہ کا مرکز رہتا ہے۔

خواتین کا اپنے چہرے کا خیال رکھنا اور زیب و زینت اختیار کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ بسا اوقات یہ مستحسن اور ضروری بن جاتا ہے۔ بدقسمتی سے آج ہم ہر معاملے میں بے دینی اور بے راہ روی کے شکار ہوتے جارہے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ آخرت سے تو ویسے ہی ہاتھ دھو بیٹھے ہیں لیکن دنیا کا بھی کوئی کمال ہمارے ہاتھ نہیں آیا۔

ان تمام باتوں کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے زیبائش و آرائش، زیب و زینت، حسن و جمال، ان تمام چیزوں میں شرعی حدود کا خیال نہیں رکھا اور صرف دنیا کے دیکھا دیکھی اس دوڑ میں شریک ہو گئے جس کی کوئی منزل نہیں۔

اسی احساس کی وجہ سے ہم چہرے کے متعلق چند شرعی احکام اپنی ماؤں بہنوں کے سامنے اس اُمید سے پیش کررہے ہیں کہ وہ آئندہ سے ان کا خیال رکھیں گی تاکہ دین اور دنیا کی بھلائی انہیں نصیب ہو۔

ا۔خواتین کے لیے مسواک استعمال کرنا

صفائی اور پاکیزگی انسانی فطرت ہے اور چہرے کی خوبصورتی کے لیے دانتوں کی صفائی بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اسی لیے حضور ﷺ نے مسواک کی بہت تاکید فرمائی ہے اور اسے فطرت قرار دیا ہے۔

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دس چیزیں انسانی فطرت میں سے ہیں۔ مونچھ تراشنا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ناخن کاٹنا، انگلیوں کے جوڑ دھونا، زیر بغل بال اکھاڑنا، زیر ناف بال صاف کرنا اور پانی سے

استنجا کرنا۔ حدیث روایت کرنے والے صاحب کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث مصعب سے سنی وہ کہتے تھے کہ میں دسویں چیز بھول گیا ہوں۔ شاید وہ چیز کلی کرنا ہے۔'' (ابوداؤد)

مذکورہ حدیث کے فوائد کے متعلق حکیم حاذق لکھتے ہیں:

''یہ حدیث کمیونٹی میڈیسن کی بنیاد بناتی ہے، بغل، زیر ناف، انگلیوں کے جوڑ، ناخن اور لبیں بہت سارے کیڑوں اور جراثیم کا گھر ہوتے ہیں اور ان جگہوں سے نہ صرف جلد پر بلکہ جسم کے اندر بھی بیماریاں پھیلتی ہیں۔ صرف گندی انگلیوں سے ٹائیفائیڈ، ہیضہ اور بہت سی متعدی بیماریاں پھیلتی ہیں۔ ناخن کے اندر پیٹ کے کیڑوں کے انڈے ہوتے ہیں جو منہ کے ذریعے پیٹ میں چلے جاتے ہیں اور وہاں بڑے بڑے سانپ نما کیڑوں کی شکل اختیار کر کے پورے جسم کے نظام انہضام کو تباہ کر دیتے ہیں۔

جہاں پر جلد کی تہہ بنتی ہے یعنی (Skin Creases) مثلاً: بغل، زیر ناف، انگلیاں وغیرہ اس میں (Scables) ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ یہ جلدی بیماری اپنی جگہوں سے بڑھتی ہے اور مادہ کیڑ (Mite) یہاں انڈے دیتی ہے۔ پس ناخن کٹوانا، بغل اور زیر ناف لینا، لبیں کٹوانا، انگلیوں کے جوڑ دھونا حفاظتی میڈیسن کی بنیاد ہیں۔''

(سنت نبوی اور جدید سائنس ۲/ ۳۹۸)

عام طور پر مسواک کو صرف مردوں کے لیے خاص سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ عورتوں کے لیے بھی مسنون ہے۔ چنانچہ یہ احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ جب مسواک کرتے تو

مجھے دھونے کے لیے دیتے تو پہلے میں اسی مسواک سے مسواک کرتی پھر دھوکر آپ کے حوالے کرتی۔‘‘(ابوداؤد)

’’حضرت یزید بن اصم فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا مسواک پانی میں پڑا رہتا تھا۔آپ اگر کسی کام یا نماز وغیرہ میں مشغول نہ ہوتیں تو مسواک کر لیا کرتی تھیں‘‘۔(ابن ابی شیبہ)

’’حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اپنی مسواکیں تلوار لٹکانے کے حلقوں میں رکھتے تھے اور صحابیاتؓ اپنی مسواکیں اپنی دوپٹوں میں رکھتی تھیں۔‘‘

(مختصر اتحاف السادۃ المہرہ)

اسلام نے طہارت و نظافت کا حکم دیا ہے اور اس کے طریقے اور ذرائع بھی سمجھائے ہیں۔اب اگر کوئی شخص مسواک کے بجائے برش استعمال کرے تو صفائی اور پاکیزگی تو مل جائے گی لیکن مسواک کرنے کے مسنون طریقے اور اس کے ثواب سے محروم رہے گا۔

اس لیے اگر برش سے دانتوں کو صاف کیا جائے تو جائز ہے بشرطیکہ برش کی بناوٹ میں کسی حرام چیز کی آمیزش مثلاً: خنزیر کے بال وغیرہ نہ ہوں۔تاہم برش کرنے سے مسواک کی فضیلت اور فوائد حاصل نہ ہوں گے۔

برش کے بارے میں خود سائنسی ماہرین کہتے ہیں:

’’ماہرینِ جراثیم کی برسہابرس کی تحقیق کے بعد یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچ چکی ہے کہ جس برش کو ایک دفعہ استعمال کیا جائے اس کا استعمال صحت اور تندرستی کے لیے اس وقت مضر ہے

جب اس کو دوبارہ استعمال کیا جائے کیونکہ اس کے اندر جراثیم کی تہہ جم جاتی ہے، اگر اس کو پانی سے صاف کیا بھی جائے تو جراثیم مصروف نشو ونمار ہتے ہیں۔ دوسری بات برش دانتوں کے اوپر چمکیلی اور سفید تہہ کو اتار دیتا ہے، جس کی وجہ سے دانتوں کے درمیان خلا پیدا ہو جاتا ہے اور دانت آہستہ آہستہ مسوڑوں کی جگہ چھوڑتے جاتے ہیں۔ اسی طرح غذا کے ذرات خلاؤں میں پھنس کر مسوڑوں اور دانتوں کے لیے نقصان کا باعث بنتے ہیں۔

(سنت نبوی اور جدید سائنس)

مسوڑھوں کی کمزوری کی وجہ سے اگر عورتیں دنداسہ یا کوئی اور خاص گوند وغیرہ استعمال کریں تو یہ بھی جائز ہے۔ بلکہ بعض علماء نے خواتین کے لیے ان کو مسواک قائم مقام بھی قرر دیا ہے۔ (السعایہ، جامع الرموز)

۲۔لپ اسٹک کا استعمال

اگر چہ اب اس کا استعمال بہت عام ہو چکا ہے اور یہ ہر بیوٹی بکس کا لازمی حصہ سمجھی جاتی ہے لیکن کچھ عرصہ پہلے تک دین دار اور شریف گھرانوں میں اسے بہت معیوب سمجھا جاتا تھا اور عام طور پر ایسی ہی عورتیں لپ اسٹک استعمال کرتی تھیں جن کا دین وشریعت سے کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا تھا۔

بہر حال یہ اسباب زینت میں سے ہے اگر صرف شوہر کی خوشنودی کے لیے، اسی کو دکھانے کے لیے لگائی جائے تو اس کی گنجائش ہے۔ البتہ اس بات کا خیال ضرور رکھا جائے کہ لپ اسٹک کے اجزاء میں کوئی حرام چیز شامل نہ ہو۔ (الفقہ الاسلامی وأدلتہ)

ایک نظر چلتے چلتے اس لپ اسٹک کے نقصانات پر بھی ڈالتی جائیں۔ حکیم حاذق لکھتے ہیں:

''زیادہ گرم اور زیادہ ٹھنڈی اشیاء کھانے پینے سے ہونٹوں کا قدرتی حسن ختم ہو جاتا ہے اور اگر خواتین فوری علاج نہ کریں تو ہونٹوں کا قدرتی رنگ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے اس امر کا انکشاف غیر ملکی جریدے کی بیوٹی رپورٹ میں کیا گیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق نو عمری سے خواتین زیادہ گرم اور زیادہ ٹھنڈی اشیاء کھانے پینے کی شوقین ہوتی ہیں جس سے ہونٹ متاثر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ہونٹوں کے ٹشوز مستقل طور پر مر جاتے ہیں۔

ماہرین کے مطابق لپ اسٹک بھی ہونٹوں کے قدرتی حسن سے محروم کرتی ہے بالخصوص ماحولیاتی آلودگی کی تہہ جم جانے سے ہونٹوں پر بے شمار ایسے وائرس جنم لیتے ہیں جو نہ صرف ہونٹوں کی صحت کو خراب کرتے ہیں بلکہ دانتوں اور بعض اوقات منہ کے سارے نظام کو بگاڑ دیتے ہیں۔ علاج نہ کرنے سے سرطان کا مرض بھی لگتا ہے۔

ماہرین کا کہنا ہے کہ خواتین کو لپ اسٹک لگانے کے چھ گھنٹوں تک ہونٹوں کو کھانے پینے اور آلودگی سے بچنا چاہیے ورنہ ہونٹوں پر فنگس ہونے کے خدشات بڑھ جاتے ہیں، لہٰذا خواتین کے لیے لپ اسٹک مضر ہے۔ (سنت نبوی اور جدید سائنس)

۳۔ سرمہ لگانا

سرمہ زینت محض ہے جو نہ صرف جائز بلکہ مسنون ہے۔

''حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ جناب نبی کریم

ﷺ نے فرمایا: تمہارے سرموں میں اثمد بہترین سرمہ ہے، یہ نگاہ تیز کرتا ہے اور (پلکوں) کے بال اُگاتا ہے۔'' (سنن نسائی)

سرمے کے سائنسی وطبی فوائد پر روشنی ڈالتے ہوئے حکیم حاذق لکھتے ہیں:

☆ سرمہ اعلیٰ درجہ کا دافع تعفن یعنی اینٹی سیپٹک ہے۔

☆ جدید تحقیق کے مطابق جب آنکھوں میں سرمہ لگایا جاتا ہے تو سورج کی تیز شعاعیں الٹراوائیلٹ آنکھوں کی پتلی (Retina) کو نقصان نہیں پہنچاسکتی۔ اس کے برعکس الٹراوائیلٹ ریز ان آنکھوں کی پتلیوں کو نقصان پہنچاسکتی ہیں، جن آنکھوں میں سرمہ نہ ہو۔

☆ سرمہ سے آنکھوں کے اوپر پھنسی لیڈ انفکشن اور ککرے بالکل نہیں ہوتے۔

☆ آشوب چشم کے مریض کے لیے سرمہ بہت مفید ہے، حتی کہ جو آدمی سرمہ مستقل استعمال کرتا ہے، اسے آشوب چشم کا مرض کم ہوگا۔

☆ ماہرین چشم کے مطابق سرمہ آنکھوں کے ان امراض سے بچاتا ہے جن امراض کا جدید سائنس میں علاج ممکن ہے۔

☆ آنکھوں کے زخم، خراش اور سوزش کے لیے سرمہ بہت مفید ہے، یہ ہر قسم کے چھوتی جراثیم ختم کردیتا ہے۔

۴۔ سرمہ سے تل بنانا

تل کو بھی جاذب نظر اور اسباب حسن میں شمار کیا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر سرمے یا کسی ایسی چیز سے تل بنایا جائے جو دھلنے کے بعد مٹ جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

۵۔دانت باریک کروانا

بغرض زینت وخوبصورتی دانتوں کو باریک کروانا اوران میں فاصلہ پیدا کرنا ناجائز ہے، نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

''خدا کی لعنت ہوان عورتوں پر جوحسن کے لیے دانتوں کے درمیان کشادگی کراتی ہیں۔''

''حضرت علقمہ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: اللہ رب العزت نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی: جسم گودنے والی، جسم گدوانے والی، ابرؤں کو باریک کرنے والی، باریک کروانے والی، حسن کے لیے دانت کشادہ کروانے والی، پھر فرمایا: میں ان عورتوں پر کیوں لعنت نہ کروں جن پر رسول اللہ ﷺ نے بھی لعنت فرمائی اوراس کی دلیل (کہ آنحضرت ﷺ کی لعنت اللہ کی لعنت ہے) خودقرآن مجید میں موجود ہے۔''رسول جو احکام تمہیں بتائیں ان پرعمل کرواور جس چیز سے منع کریں اس سے رُک جاؤ۔''

(بخاری شریف)

۶۔کان چھیدنا

عورتوں کوکان چھیدانا اوراس میں بالی وغیرہ زیور پہننا جائز ہے کیونکہ زمانہ قدیم سے یہ معمول چلاآرہاہے۔امام بخاری رحمہ اللہ نے ''باب القرط للنساء'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل فرمائی:

''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے عورتوں کو

صدقہ کرنے کا حکم دیا تو میں نے عورتوں کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ اپنے کانوں اور گلوں میں جا رہے تھے'' (یعنی کانوں سے بالیاں اور گلوں سے ہار اتار کر صدقہ کر رہی تھیں)۔

(بخاری شریف)

ظاہر ہے کہ جب کانوں میں بالیاں پہنی جائیں تو اس کے لیے کانوں کو چھدوانا پڑتا ہے۔

۷۔ناک چھیدنا

زیب و زینت عورتوں کے لیے مباح ہے اور اس میں ہر وہ فعل جو شرعاً ممنوع نہ ہو اختیار کرنے کی اجازت ہے، لہٰذا عورتوں کا ناک چھدوانا اور اس میں نتھ وغیرہ زیور پہننا جائز ہے کیونکہ یہ امور عادیہ میں سے ہے جیسے دوسرے لباس اور زیور وغیرہ ہیں، یہ ایک نیا زیور ہے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں نہ تھا، چونکہ اس کا تعلق دین سے نہیں بلکہ امور عادیہ سے ہے، لہٰذا اس کے ثبوت کے لیے کسی مستقل دلیل شرعی کی بھی ضرورت نہیں۔

(ردّالمختار ۶/۴۲۰)

۸۔چہرہ گدوانا

جسم گدوانا ایک ملعون فعل ہے، نبی اکرم ﷺ نے جسم گودنے اور گدوانے والی عورتوں کو ملعون قرار دیا۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو بالوں میں بال ملاتی ہیں یا ملانے کا کام کرتی ہیں اور جو جسم گودتی یا

گدواتی ہیں۔'' (بخاری شریف)

لہٰذا ٹھوڑی یا پیشانی یا جسم کے کسی بھی حصے کو گدوانا جائز نہیں ہے۔

۹۔ابٹن، کریم، لوشن وغیرہ کا استعمال

ان اشیاء کے استعمال میں کوئی برائی نہیں، البتہ اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ حرام و نجس چیزوں کی ملاوٹ سے پاک ہوں ورنہ ان کا استعمال نجاست کی وجہ سے درست نہ ہوگا۔

چہرے کے مہاسے اور دانے دور کرنے کا ایک عجیب علاج ہم آپ کو بتاتے ہیں۔ حکیم حاذق اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''چہرہ دھونے سے چہرے پر دانے نہیں نکلتے یا پھر ان کے نکلنے کی شرح کم ہو جاتی ہے۔ ماہرین حسن وصحت اس بات پر متفق ہیں کہ تمام کریمیں، ابٹن اور لوشن چہرے پر داغ چھوڑتے ہیں۔ حسن اور خوبصورتی کے لیے چہرے کا کئی بار دھویا جانا از حد ضروری ہے۔

امریکن کونسل فار بیوٹی کی سرکردہ ممبر لیڈی بچر نے عجیب وغریب انکشاف کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کو کسی قسم کے کیمیاوی لوشن کی ضرورت نہیں۔ ان کے اسلامی وضو سے چہرے کا غسل ہو جاتا ہے اور چہرہ کئی امراض سے بچ جاتا ہے۔

۱۰۔ بیوٹی پارلر میں منہ دھلوانا

فضول خرچی اور لغو کام ہے بلکہ دھوکا بازی بھی ہے اپنے اصلی رنگ کو چھپانا اور مصنوعی خوبصورتی کی نمائش کرنا ہے۔ اس قسم کے کاموں سے بچنا چاہیے۔

عورت اپنے شوہر کی خاطر سادہ اور پرانے طریقے کے مطابق جو فیشن میں داخل نہ ہو اور فجار وفساق، کفار کے ساتھ مشابہت لازم نہ آتی ہو، ایسی زیب وزینت کرسکتی ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ)

۱۱۔ زیب وزینت کے لیے سرجری کروانا

اللہ رب العزت نے انسان کو انتہائی خوبصورت ومناسب انداز میں پیدا فرمایا، ارشاد ربانی ہے:

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (التین: ۴)

الذی خلقک فسوک فعدلک فی أی سورة ماشاء رکبک.

(الانفطار: ۷، ۸)

اس تخلیق خداوندی میں کسی شرعی اور فطری ضرورت کے بغیر خود ساختہ تبدیلی جائز نہیں، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مصنوعی طور پر بال لگانے، جسم گدوانے، ابروئیں باریک کرنے اور خوبصورتی کے لیے دانتوں میں فصل پیدا کرنے کو ناجائز قابل لعنت اور اللہ کی خلقت میں تبدیلی قرر دیا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ محض زیب وزینت اور خوبصورتی کی غرض سے آپریشن اور سرجری کروانا بطریق اولیٰ اللہ رب العزت کی خلقت میں تغییر وتبدیلی ہے جو قطعاً جائز نہیں۔ (الفقہ الاسلامی ۴/۲۶۸۲)

ایک قیمتی راز

چہرے کی خوبصورتی کے لیے آج کیا کچھ نہیں کیا جاتا، اسی کے لیے شریعت کے احکام

کو پامال کیا جاتا ہے اور بے انتہا رقم بھی خرچ کی جاتی ہے۔ پھر بھی وہ مطلوبہ فوائد حاصل نہیں ہوتے جو ہم چاہتے ہیں جبکہ اسلامی احکام پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے یہ مقصد بدرجہ اتم خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ اس بات کا اقرار غیر مسلم ڈاکٹر بھی کرتے ہیں۔ حکیم حاذق نقل کرتے ہیں:

''شیخ انجینئر نقشبندی فرماتے ہیں: میری ملاقات امریکن ڈاکٹر سے ہوئی، کہنے لگا یقین جانیں عورتوں کو اگر پتہ چل جائے کہ نماز میں لمبے سجدے کی وجہ سے چہرہ خوبصورت ہوتا ہے اور نور آتا ہے تو وہ سجدے سے سر ہی نہ اُٹھائیں۔''

''سائنس کی یہ شہادت ہے کہ حسن کو سنگھار اور کاسمیٹکس پیدا نہیں کرتے، حقیقی حسن متوازن غذا سے پیدا ہوتا ہے۔ تمام حیاتین اور عناصر میں ایسی اجزاء ہوتے ہیں جو چہرے کا رنگ نکھارتے ہیں، آنکھوں کو روشن کرتے ہیں، پلکوں اور ابروؤں کو اچھی شکل دیتے ہیں، پھوڑے پھنسیوں، چھائیوں اور کیلوں کو دور کرتے ہیں۔ یہ چہرے میں مناسب گوشت اور چربی پیدا کرتے ہیں جس سے چہرے کی شکل صحیح رہتی ہے۔ یہ فوائد صرف چہرے کو حاصل نہیں ہوتے بلکہ آپ کے پورے بدن کو حاصل ہوتے ہیں۔''

6

دعاؤں کی قبولیت کے سنہرے واقعات

اُم احمد عبد الرحمن

19۔ یہ نہر ہی تو ہے

یہ سعودی عرب کے دارالحکومت ''ریاض'' شہر کا واقعہ ہے۔ ایک نیک خاتون رمضان المبارک کے مہینے میں ہر روز افطار سے پہلے تمام بچوں کو اکٹھا کرتی اور ان سے کہتی کہ جو کچھ

میں کہوں اور کروں تم بھی وہی کہنا اور کرنا۔

پھر وہ دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتی اور کہتی: ''الٰہی! ہمیں اپنا گھر عطا کر جس کے آگے ایک نہر ہو۔''

اس خاتون کا شوہر ہنستا اور کہتا: ''اپنے گھر کی بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن یہ گھر کے آگے نہر ہونے کا کیا مطلب! اس صحرائی علاقے میں نہر کہاں سے آئے گی۔''

بیوی اسے جواب دیتی: ''آپ کو اس سے کیا غرض! یہ ہمارا اور اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے۔ آپ بیچ میں مت آئیے۔ وہ تو کہتا ہے: مجھ سے مانگو، میں عطا کروں گا۔ ہم تو جو جی میں آئے گا، مانگیں گے اور بار بار مانگیں گے۔''

غرض وہ ہر روز اسی طرح بچوں کو اکٹھا کرتی، خود بھی دُعا کرتی، ان سے بھی کرواتی۔

رمضان المبارک بیت گیا۔ ایک دن اُس خاتون کے شوہر نے ہنس کر کہا: ''اب بتاؤ۔ کہاں ہے تمہارا اپنا گھر! اور کہاں ہے وہ نہر!!''

خاتون نے بڑے یقین سے جواب دیا: ''اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارا گھر ضرور دے گا۔ وہ ہماری تمام مُرادیں پوری کرے گا۔''

اس سے اگلا واقعہ وہ خاتون خود بیان کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے: میں شوال کے چھ روزے رکھ کر فارغ ہوئی تھی کہ ایک روز بڑا عجیب واقعہ پیش آیا۔ میرے شوہر نماز عصر کے بعد مسجد سے نکل رہے تھے کہ ریاض کے ایک نہایت امیر آدمی نے ان کا راستہ روکا۔ میرے شوہر اسے جانتے تک نہ تھے۔ اس آدمی نے انہیں سلام کیا اور کہا: ''میرے پاس ایک گھر

ہے۔ آدھے گھر میں تو میرے والد رہتے ہیں۔ گھر کا دوسرا نصف خالی پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اور میری اولاد کو اپنے فضل و کرم سے بہت کچھ دیا ہے۔ ہمیں اس آدھے گھر کی ضرورت نہیں۔ آج میں اس ارادے سے نکلا تھا کہ نمازِ عصر کے بعد مسجد سے نکلنے والے پہلے آدمی کو میں وہ آدھا گھر دے دوں گا۔ یوں آپ سے ملاقات ہوئی۔ تو گزارش یہ ہے کہ میرا آدھا گھر آپ ہدیۃً قبول فرمایئے۔''

بلا قیمت مکان لیتے ہوئے ہمیں تردد ہوا۔ وہ صاحب کہنے لگے، اگر آپ کو تسلی قیمت دیے بغیر نہیں ہوتی تو جتنی رقم آپ آسانی سے دے سکتے ہیں، دے دیجئے۔

ہم نے ادھر ادھر سے کچھ رقم جمع کی جو کم وبیش 8 ہزار ریال بن گئے۔ وہ رقم ہم نے اس آدمی کے حوالے کر دی۔ اب ہم اس آدھے مکان کے مالک تھے۔ مکان ''ریاض'' کے ایک ماڈرن علاقے میں واقع تھا۔ سچ ہے کہ جو آدمی سچے دل سے اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی پکار ضرور سنتا ہے۔

لیکن ایک بات نے مجھے پریشان کر رکھا تھا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے جو گھر مانگا تھا اس کے آگے تو نہر ہونی تھی۔ مکان تو مل گیا پر اس کے آگے نہر نہیں تھی۔

میں نے ایک عالم دین سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ مجھ سے مانگو، میں تمہیں عطا کروں گا۔ میں نے اللہ سے نہر کنارے گھر مانگا تھا۔ گھر تو مل گیا۔ نہر نہیں ملی۔

ان عالم دین کو میری دعا اور میرے ایقان قبولیت پر بڑی حیرت ہوئی۔ انہوں نے دریافت کیا: اس وقت آپ کے گھر کے سامنے کیا ہے؟

میں نے کہا: اس وقت ہمارے گھر کے سامنے ایک خوب صورت مسجد ہے۔

عالم دین مسکرائے اور فرمایا: ''یہ نہر ہی تو ہے۔''

''حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ صحابہ کرامؓ سے فرمایا: ''آدمی کا گھر نہر کنارے ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ بار غسل کرے تو کیا اس کے بدن پر میل کچیل باقی رہے گا؟''

صحابہ کرامؓ نے جواب دیا: ''نہیں یارسول اللہ! اس کے بدن پر میل کچیل باقی نہیں رہے گا۔''

فرمایا: ''یہی حال پانچ نمازوں کا ہے۔ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا ڈالتا ہے۔'' (موقع منتديات مدينة الأحلام من قسم رمضان)

20۔ رسول اللہ ﷺ کی خاص دُعا

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر نبی کی ایک دُعا ایسی ہوتی ہے جسے ضرور قبولیت حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ دُعا وہ نبی جب چاہے کر سکتا ہے اور اسے اُس کی مطلوبہ شے عطا کر دی جاتی ہے۔ میں نے اپنی دُعا سنبھال کے رکھ چھوڑی ہے کہ قیامت کے دن اپنی اُمت کی شفاعت کروں گا۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 199)

سیدنا ابو ہریرہؓ کے علاوہ سیدنا انس بن مالکؓ بھی یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر نبی کو ایک مقبول دُعا عطا کی گئی ہے۔ ہر نبی اپنے وقت میں یہ دُعا مانگ چکا ہے اور وہ قبول کر لی گئی ہے۔ میں روزِ قیامت اپنی دُعا اُمت کی شفاعت کے

لیے مانگوں گا۔"(صحیح البخاری، حدیث:6305)

سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ایک اور حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہر نبی کی ایک دُعا ہے جو اُس نے اپنی اُمت کے لیے مانگی۔ وہ دُعا قبول کر لی گئی۔ میرا ارادہ ان شاءاللہ یہ ہے کہ میں نے اپنی دُعا روزِ قیامت اُمت کی شفاعت کے لیے مؤخر کر دی ہے۔"(صحیح البخاری، حدیث:7474)

صحیح مسلم کی طویل روایت جو حدیث شفاعت کے نام سے مشہور ہے، اس میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

قیامت کے روز جب لوگ سخت مصیبت میں مبتلا ہوں گے تو یکے بعد دیگرے مختلف انبیائے کرام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے: اے اللہ کے نبی! اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری سفارش کر دیجیے۔ انبیائے کرام یکے بعد دیگرے معذوری ظاہر کریں گے۔ آخر کار لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور سفارش کی درخواست کریں گے۔ اس کے بعد کیا ہوگا وہ اللہ کے رسول ﷺ کی زبانی ملاحظہ کیجیے۔

فرماتے ہیں: "جب لوگ میرے پاس سفارش کے لیے آئیں گے تو میں کہوں گا کہ ہاں، میں سفارش کرتا ہوں۔ میں ان کے ہمراہ روانہ ہوں گا۔ بارگاہِ الٰہی میں پہنچ کر باریابی کی اجازت چاہوں گا۔ مجھے شرفِ باریابی بخشا جائے گا۔ میں رب تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو کر ایسے الفاظ میں اُس کی حمد کروں گا جو میں اس وقت بیان نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ مجھے وہ الفاظ موقع پر الہام کرے گا۔

پھر میں سجدے میں گر پڑوں گا۔ مجھ سے کہا جائے گا: اے محمد! سر اٹھائیے، کہیے، آپ کی بات سُنی جائے گی۔ جو مانگنا ہے مانگیے، آپ کو عطا کیا جائے گا۔ سفارش کیجئے، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا: میرے رب! میری اُمت، میری اُمت۔ فرمایا جائے گا: جایئے، جس کے قلب میں دانۂ گندم یا دانۂ جو کے برابر ایمان ہے اُسے جہنم سے نکال لایئے۔ میں جاؤں گا اور ایسے تمام افراد کو جہنم سے نکال لاؤں گا۔

دوبارہ حاضرِ خدمت ہوں گا۔ انہی الفاظ میں رب تعالیٰ کی حمد کروں گا اور سجدے میں گر پڑوں گا۔ مجھے سے دوبارہ کہا جائے گا: اے محمد! سر اُٹھایئے۔ کہیے، آپ کی بات سنی جائے گی۔ مانگیے، آپ کو عطا کیا جائے گا۔ سفارش کیجئے، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔

میں دوبارہ عرض کروں گا: اے اللہ! میری اُمت، میری اُمت۔ مجھ سے فرمایا جائے گا جایئے، جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہے اُسے جہنم سے نکال لایئے۔ میں جاؤں گا اور ایسے تمام افراد کو جہنم سے نکال لاؤں گا۔

تیسری بار رب تعالیٰ کی خدمت میں جاؤں گا۔ انہی الفاظ میں اس کی حمد کروں گا۔ سجدے میں گر پڑوں گا۔ پھر سے فرمایا جائے گا: اے محمد! سر اٹھایئے۔ کہیے، آپ کی بات سنی جائے گی۔ مانگیے، آپ کو عطا کیا جائے گا۔ سفارش کیجئے، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی۔

میں پھر سے عرض کروں گا: اے میرے رب! میری اُمت، میری اُمت۔ مجھ سے فرمایا جائے گا: جایئے، جس کے دل میں ادنیٰ ترین دانۂ رائی کے بقدر ایمان ہے اُسے بھی جہنم سے نکال لایئے۔ میں جاؤں گا اور ایسے تمام افراد کو جہنم سے نکال لاؤں گا۔‘‘

(صحیح مسلم، حدیث: 193)

21۔ میں تمہیں کیسے قتل کرتا؟!

ایک عرب مسلمان لڑکی لندن میں زیر تعلیم تھی۔ ایک مرتبہ وہ اپنی سہیلی کے ہاں ایک تقریب میں گئی۔ کوشش کے باوجود وہ وہاں سے جلدی نہ نکل سکی۔ جب وہ اس فنکشن سے فارغ ہو کر نکلی تو رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ اس کا گھر کافی دور تھا۔ سب سے جلدی گھر پہنچنے کا ذریعہ زیر زمین چلنے والی ٹرین تھی۔ لیکن برطانیہ میں دشواری یہ ہے کہ آدھی رات کے بعد ٹرینوں میں اور سٹیشنوں پر بہت سے جرائم پیشہ افراد ہوتے ہیں۔ آئے روز ٹی وی چینلز اور اخبارات میں یہاں ہونے والی وارداتوں کا تذکرہ موجود ہوتا ہے۔

بہت ہی زیادہ دیر ہو چکی تھی۔ بس کافی وقت لے سکتی تھی۔ لڑکی نے بہت سے خدشات و خطرات کے باوجود ٹرین میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ بات پیش نظر رہے یہ لڑکی دین دار نہیں بلکہ بہت آزاد خیال اور لبرل تھی۔ جب وہ سٹیشن پر پہنچی تو یہ دیکھ کر اس کے جسم میں خوف کی ایک سرد لہر دوڑ گئی کہ سٹیشن بالکل سنسان ہے صرف ایک شخص کھڑا ہے جو اپنے حلیے سے ہی جرائم پیشہ لگتا تھا۔ وہ انتہائی خوفزدہ ہو گئی۔ پھر اس نے ہمت کی، خود کو سنبھالا، قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا اور اسے جو کچھ زبانی یاد تھا جسے وہ ایک عرصے سے بھولی ہوئی تھی، سب کچھ پڑھ ڈالا۔ اتنے میں ٹرین آئی اور وہ اس میں سوار ہو کر بخیریت اپنے گھر پہنچ گئی۔ اگلے دن کا اخبار دیکھ کر وہ چونک اٹھی۔ اسی اسٹیشن پر اس کے روانہ ہونے کے تھوڑی دیر بعد ایک نوجوان لڑکی کا قتل ہوا اور قاتل گرفتار بھی ہو گیا۔ وہ پولیس اسٹیشن گئی۔ پولیس

والوں کو بتایا کہ قتل سے کچھ دیر پہلے وہ اس اسٹیشن پر موجود تھی۔ میں قاتل کو پہچانتی ہوں۔اس سے کچھ سوال و جواب کرنا چاہتی ہوں۔ جب وہ مجرم کے سیل کے سامنے پہنچی تو اس سے پوچھا: کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ اس نے جواب دیا: ہاں! پہچانتا ہوں۔ رات کو تم بھی اس اسٹیشن پر آئی تھی۔لڑکی نے پوچھا: پھر تم نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔وہ کہنے لگا: میں تمہیں کیسے نقصان پہنچاتا؟! تمھارے پیچھے تو دو انتہائی صحت منداور مضبوط باڈی گارڈ کھڑے تھے۔ یہ سن کر لڑکی واپس آگئی۔ واپسی پر لڑکی تشکر اور احسان مندی کے جذبات سے مغلوب تھی اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت پر اس کا بھروسہ مزید بڑھ گیا تھا۔

اگر ہم اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اللہ کو پکاریں اور اللہ کی تائید و نصرت پر بھروسہ رکھیں تو ہم اللہ کی رحمت سے کبھی محروم نہیں رہیں گے۔

22۔بصارت اور بصیرت

کئی برس پہلے کی بات ہے ایک علاقے میں بھوک، افلاس اور بیماری کا دور دورہ تھا۔ اسی دوران ایک بچے کو چیچک کی بیماری نے آلیا۔ چیچک کی بیماری اس دور میں وبا کی صورت اختیار کر جاتی تھی اور اس کا علاج ممکن نہیں تھا۔ بچے کے والدین سوائے صبر کے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

ایک روز ماں یہ دیکھ کر بے حد پریشان اور غمزدہ ہوئی کہ اس کا بچہ چلتے ہوئے دیواریں ٹٹول رہا ہے۔اُس نے جان لیا کہ چیچک کے بداثرات سے اُس کے لختِ جگر کی آنکھیں چلی گئی ہیں۔وہ بڑی صحیح العقیدہ اور نیک عورت تھی۔اس کا ایمان باللہ بہت راسخ تھا۔وہ روئی

نہ چلائی، نہ غصہ کیا۔ اللہ کی حمد و ثنا کی، وضو کیا اور مصلے پر جا کھڑی ہوئی۔ نہایت خشوع و خضوع سے دو رکعتیں پڑھیں اور گڑگڑا کر دُعا کی: اے اللہ! تو نے اسے بصارت سے محروم کر دیا، لیکن اے میرے مالک! اس کی بصیرت کو اندھا نہ کرنا، یا اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرمانا اور حافظ قرآن بنانا۔ اس نے رو رو کر اپنے لخت جگر کے لیے دُعا مانگی۔

وہ چیچک زدہ بچہ اس صابر و شاکر ماں کی گود میں پلا بڑھا۔ اس نے آٹھ نو برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ حفظ قرآن کے بعد وہ حفظ حدیث اور دینی تعلیم کی طرف متوجہ ہوا۔ فقہ و سیرت کی کتابیں یاد کیں۔ تفاسیر قرآن از بر کیں۔ یوں وہ نابینا بچہ بڑا عالم دین بنا۔ اس کی شادی ہوئی۔ چار بچے ہوئے اور چاروں حافظ قرآن تھے۔ ایک بچہ بہت بڑا عالم دین بنا۔ اس طرح اسے آنکھوں والوں سے بڑھ کر سعادت نصیب ہوئی۔

(من کتاب ''لاتیئس'' بتصرف)

23۔ اعتراف گناہ سے بارش

ایک مرتبہ اہل دمشق نماز استسقا کے لیے نکلے۔ ان میں بلال بن سعد بھی تھے۔ وہ لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے: کیا آپ لوگ اپنے گناہوں کا اعتراف نہیں کریں گے۔ لوگوں نے جواب دیا کیوں نہیں؟ پھر بلال بن سعد کہنے لگے: اے اللہ! آپ نے خود فرمایا ہے:

﴿مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ط﴾

''نیکوکاروں کے خلاف الزام کی کوئی راہ نہیں'' (التوبة: 91)

ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں۔ ہمیں معاف فرما اور بارش عطا فرما، چنانچہ اسی

دن بارش ہوگئی۔

اندلس کے اموی خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کے آخری دور میں ایک مرتبہ شدید قحط سالی ہو گئی۔قرطبہ کے قاضی منذر بن سعید نے لوگوں کو نماز استسقا پڑھنے کی ترغیب دی۔ یہ بہت بڑے عالم اور بے مثال خطیب تھے۔منذر بن سعید نے کئی دن روزہ رکھ کر خود کو اس مقصد کے لیے خاص طور پر تیار کیا۔لوگ وقت مقررہ پر ایک کھلے میدان میں جمع ہو گئے۔خلیفہ الناصر لوگوں سے خطاب کرنے کے لیے منبر پر بیٹھ گئے۔خلاف معمول منذر بن سعید نہ پہنچے۔پھر وہ انتہائی عاجزی وانکساری سے چلتے ہوئے اس میدان میں حاضر ہوئے۔لوگوں سے مخاطب ہونے کے لیے کھڑے ہوئے۔السلام علیکم کہنے کے بعد کافی دیر تک کچھ نہ بول سکے۔ حالانکہ یہ ان کی عادت نہیں تھی۔لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف حیرت بھری نظروں سے دیکھا کہ کیا ماجرا ہے؟ پھر انہوں نے ہمت کر کے کلام شروع کیا۔اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر رحمت کو واجب کر لیا ہے۔اپنے رب سے بخشش مانگو اور اسکی طرف رجوع کرو۔اعمال صالحہ کر کے اس کا قرب حاصل کرو۔ان کا یہ انداز اور باتیں سن کر لوگوں پر رقت طاری ہوگئی۔ پھر سب نے مل کر انتہائی عاجزی وانکساری سے دُعا کی چنانچہ اسی روز غروب آفتاب سے پہلے ہی موسلا دھار بارش برسنے لگی۔

لوگوں کو غور کرنا چاہیے کہ آج ان کی دُعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں۔ وہ بارش کے لیے التجائیں کرتے ہیں۔لیکن انہیں پذیرائی نہیں ملتی۔(نزهة الفضلاء: 289/1)

(جاری ہے)

زندگی کے شب وروز ہر انسان کیلئے اجنبی راہوں کا ایک ایسا سفر ہے، جس میں قدم قدم پر وہ مخلصانہ راہنمائی کا محتاج ہوتا ہے۔ امام نوویؒ کی جمع کردہ شہرۂ آفاق کتاب ''ریاض الصالحین'' اہل ایمان کیلئے صدیوں سے ایک کامل ومکمل راہنما اور بہترین مرشد کی حیثیت سے معروف ہے۔ لاکھوں لوگ اس کے ذریعے فیضانِ نبوت سے فیض یاب ہو چکے ہیں۔ دنیا کی تمام بڑی زبانوں کی طرح اردو میں بھی اس کے کئی تراجم ہوئے لیکن ایک باتوفیق خاتون کے قلم سے یہ شستہ، سہل اور بامعنی ترجمہ ایسا ہے کہ پڑھنے والا بغیر کسی رکاوٹ کے پڑھتا چلا جاتا ہے۔ ماہنامہ ''بنات عائشہؓ'' کی قاریات کیلئے یہی ''زادِسفر'' قسط وار پیش ہے۔

زادِ سفر

محترمہ امۃ اللہ تسنیمؒ

ہمشیرہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

صبح وشام کی نماز:

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو صبح وشام نماز پڑھے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (بخاری، مسلم)

بیماری میں عمل کا ثواب:

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بندہ بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اس کے لیے وہی عمل لکھا جائے گا جو قیام اور تندرستی کی حالت میں کرتا تھا۔ (بخاری)

ہر نیکی صدقہ ہے:

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نیکی صدقہ ہے۔ (بخاری)

درخت لگانے کی فضیلت:

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کوئی پودا لگائے اور اس سے لوگ فائدہ اٹھائیں تو اس کے لیے صدقہ ہے اور اگر چوری ہو جائے یا اس کو کوئی نقصان پہنچائے تو بھی اس کے لیے صدقہ ہے۔ (مسلم)

اور ایک روایت میں ہے کہ مسلمان درخت لگائے اس سے انسان اور جانور فائدہ اٹھائیں اس کے لیے قیامت تک صدقہ جاری رہے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ مسلمان کوئی درخت لگائے یا کھیتی کرے تو اس سے انسان اور جانور یا کوئی بھی کھائے تو اس کے لیے صدقہ ہے۔

مسجد میں دور سے آنے کی فضیلت:

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ بنو سلمہ نے مسجد کے قریب گھر بنانے کا ارادہ کیا، رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ تم مسجد سے قریب رہنے کا ارادہ کرتے ہو، انہوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ، ہم نے اس کا ارادہ کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اے بنی سلمہ اپنے گھروں کو نہ چھوڑو تمہارے سب نقش قدم لکھے جائیں گے۔

حضرت ابو منذر بن ابیؓ بن کعب سے روایت ہے کہ ایک آدمی کا گھر مسجد سے سب سے زیادہ فاصلہ پر تھا، ایسا کسی کا نہ تھا، اس کی کوئی نماز جماعت سے فوت نہ ہوتی تھی، اس سے کسی نے کہا، یا میں نے کہا کہ ایک گدھا خرید لو، اس پر رات کی تاریکیوں میں اور دن کی تپتی ریت میں آجایا کرو، کہا میں ایسے گھر سے خوش نہیں ہوتا جو مسجد کے پہلو میں ہو، میں چاہتا ہوں کہ مسجد کی طرف میرا آنا اور گھر کی طرف میرا پلٹ جانا لکھا جائے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے تمہارے لیے سب کا سب جمع کر دیا ہے۔ (مسلم)

عمل کو بلند کرنے کا طریقہ:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چالیس باتیں ہیں ان میں سب سے خوبی کی بات بکری کا عطیہ ہے جو شخص بھی ان خصلتوں پر ثواب کی اُمید میں اور جس کا وعدہ کیا گیا ہے اس کی تصدیق میں عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ (بخاری)

کھجور کا ٹکڑا جہنم سے حجاب:

حضرت عدیؓ بن حاتم سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے فرماتے تھے

کہ آگ سے بچو، اگر چہ ایک کھجور کا ٹکڑا ہی دے کر۔ (بخاری، مسلم)

حضرت عدیؓ بن حاتم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب قیامت کے دن ہر شخص سے اس کا پروردگار باتیں کرے گا، اس کے اور اس کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا اپنی سیدھی طرف دیکھے گا تو وہی دیکھے گا جو اس نے آگے بھیجا ہے اور جب اپنی بائیں جانب دیکھے گا تو وہی نظر آئے گا جو اس نے آگے بھیجا ہے اور جب اپنے سامنے دیکھے گا تو آگ کو دیکھے گا جو اس کے چہرے کے سامنے ہوگی تو آگ سے بچو اگر چہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی سے کیوں نہ ہو۔ (بخاری، مسلم)

کھانے اور پینے پر اللہ کا شکر:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندہ سے خوش ہوتا ہے جو کھانا کھا کر اور پانی پی کر اس کی تعریف کرے۔ (مسلم)

صدقہ میں گنجائش:

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان کو صدقہ دینا لازم ہے، کہا اگر استطاعت نہ ہو تو آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں، فرمایا اپنے ہاتھ سے کام کرے، اپنے کو بھی نفع پہنچائے اور صدقہ بھی کرے، کہا اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو، فرمایا حاجت مند اور مصیبت زدہ کی مدد کرے، کہا اگر یہ بھی نہ ہو سکے، فرمایا نیکی کا حکم دے، کہا اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو، فرمایا تو اپنے کو برائیوں سے بچائے، یہ بھی صدقہ ہے۔

(بخاری، مسلم)

(جاری ہے)

اُم ہانی

میرا باورچی خانہ

مچھلی اور سمندری خوراک

مچھلی پاکستان میں خاص طور پر سندھ اور بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں ایک مقبول اور غذائیت سے بھرپور خوراک ہے۔ پاکستان کے پاس بحیرہ عرب کے ساتھ ایک طویل ساحل ہے جہاں تازہ مچھلی اور سمندری غذا وافر مقدار میں دستیاب ہے۔ پاکستان مچھلیوں کی مختلف اقسام کا گھر ہے، جن میں سے اکثر کو لذیذ سمجھا جاتا ہے۔ پاکستان کی سب سے مشہور مچھلیوں میں سے ایک Pomfret ہے جو اپنے نرم گوشت اور نازک ذائقے کے لیے مشہور ہے۔ایک اور پسندیدہ میٹھے پانی کی مچھلی روہو ہے جو بڑے پیمانے پر دستیاب ہے اور اس کے ذائقے دار گوشت کے لیے قیمتی ہے۔ہلسا بھی ایک مقبول انتخاب ہے، اس کے بھرپور ذائقے اور مضبوط ساخت نے اسے بہت سے پاکستانی گھرانوں میں ایک اہم مقام بنایا ہے۔لہٰذا، مختصراً، پاکستان میں سردیوں کے کھانے کھانے کے لیے ایک حقیقی لذت ہیں- بھرپور، لذیذ، اور جسم اور روح کے لیے واقعی سکون بخش۔ چاہے یہ ایک اچھا گاڑھا سٹو ہو، میٹھا کھانا ہو، یا آرام دہ مشروب ہو،

پنجیری

پنجیری پاکستان میں موسم سرما کی ایک روایتی میٹھی ہے۔گندم کے پورے آٹے، گھی (واضح مکھن) اور گری دار میوے اور خشک میوہ جات کے آمیزے سے تیار کردہ یہ میٹھا صحت بخش میٹھا عام طور پر سردیوں کے مہینوں میں اور خاص طور پر عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے تہوار کے دنوں میں پیش کیا جاتا ہے۔۔

نہاری

نہاری ایک دھیمی پکائی ہوئی ڈش ہے جس میں بھرپور، نرم گوشت کا سٹو، بون میرو، اور مسالوں کا آمیزہ ہوتا ہے- یہ ایک حقیقی پاکستانی موسم سرما کا کرایہ ہے۔ عام طور پر نان یا چاول کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، یہ بھرپور، مسالہ دار ڈش سردیوں کے دوران پاکستانی گھرانوں کی اکثریت میں ایک اہم غذا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ نہاری کی ابتدا18 ویں صدی کے آس پاس مغل سلطنت کے شاہی کچن میں ہوئی تھی۔ نہاری ایک دھیمی پکائی ہوئی ڈش ہے جس میں بھرپور، نرم گوشت کا سٹو، بون میرو، اور مسالوں کا آمیزہ ہوتا ہے- یہ ایک حقیقی پاکستانی موسم سرما کا کرایہ ہے۔ عام طور پر نان یا چاول کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، یہ بھرپور، مسالہ دار ڈش سردیوں کے دوران پاکستانی گھرانوں کی اکثریت میں ایک اہم غذا ہے۔

خیال کیا جاتا ہے کہ نہاری کی ابتدا18 ویں صدی کے آس پاس مغل سلطنت کے شاہی کچن میں ہوئی تھی۔ یہ ڈش شاہی باورچیوں نے شہنشاہ اور اس کے مہمانوں کے لیے ذائقے سے بھری غذا فراہم کرنے کے لیے بنائی تھی۔ نہاری نے جلد ہی برصغیر پاک و ہند میں اپنا راستہ بنایا، پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش میں مداحوں کو اکٹھا کیا۔

حلیم

حلیم ایک روایتی پاکستانی سست پکا ہوا دلیہ ہے جس میں گندم، دال اور گوشت، عام طور پر گائے کا گوشت یا بھیڑ کا گوشت ہوتا ہے۔ حلیم ایک لذیذ اور صحت بخش

پکوان ہے جو سردیوں کے دوران اور پاکستان میں خاص مواقع پر، جیسے کہ رمضان اور عید کی تقریبات میں مختلف گھرانوں میں عام ہو چکی ہے۔ حلیم کو پکانے میں بڑی محنت، صبر اور مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس بھرپور، کریمی ساخت کو حاصل کرنے کے لیے اجزاء کو گھنٹوں آہستہ سے پکانا چاہیے۔ مصالحوں کا مرکب عام طور پر حلیم کو ذائقہ دیتا ہے، جیسے زیرہ، دھنیا اور دارچینی۔ اسے گرم گرم پیش کیا جاتا ہے، کٹی ہوئی تازہ جڑی بوٹیاں، جیسے لال مرچ یا اجموداا، اور لیموں کا رس چھڑک کر گارنش کیا جاتا ہے۔ حلیم صحیح معنوں میں ایک آرام دہ اور غذائیت سے بھرا ہوا کھانا ہے، جو اسے پاکستان میں کھانا ایک خوشگوار چیز بناتا ہے۔

ابلے ہوئے انڈے

ابلے ہوئے انڈے پاکستان میں موسم سرما کا ایک کلاسک کھانا ہیں۔ وہ نہ صرف ایک سادہ لیکن آرام دہ اور دلکش کھانا فراہم کرتے ہیں بلکہ وہ ایک آرام دہ کھانے کا حصہ بھی بن سکتے ہیں کیونکہ پاکستان میں موسم سرما لوگوں کو گرم، آرام دہ اور توانائی بخش کھانے کی خواہش کرتا ہے جو ان کے مدافعتی نظام کو بڑھانے میں مدد دیتے ہیں۔ پروٹین، وٹامنز اور معدنیات سے بھرپور، بہتے ہوئے ابلے ہوئے انڈے اس مقصد کے لیے بہترین لگتے ہیں۔ بہتے ہوئے ابلے ہوئے انڈے بنانا آسان ہے اور اس کے لیے صرف چند اجزاء اور کچھ بنیادی کھانا پکانے کی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔